دیکھا۔ وہ فوراً سے سر جھکائے جلدی جلدی کام کرنے لگی۔ نوشیرواں سیدھا سیڑھیوں پہ چڑھتا گیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی' اور پہلی آنکھوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دور کسی خیال میں گم ہے۔ کسی اطمینان انگیز' سرشار سے خیال میں۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر ساری بتیاں جل رہی تھیں۔ اتنی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ناگواری سے ادھر ادھر دیکھا' اور پھر ساکت رہ گیا۔

سامنے کاؤچ پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ صبح والی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ ٹائی اور کوٹ اتارنے کے بعد اس نے لباس بھی نہیں بدلا تھا۔ اور اب' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' وہ چبھتی نظروں سے چوکھٹ میں کھڑے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

''رک کیوں گئے۔ اندر آؤ۔'' طنزیہ سا بولا تو نوشیرواں نے (بظاہر) سرسری سا سر جھٹکا۔ ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پہ ڈالا۔

''آپ ادھر.....؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے' مجھے تمہاری حرکتوں کے بارے میں معلوم نہیں ہوگا؟'' سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ غصے سے ایک دم پھٹا تھا۔ ''کیا سوچ کر تم نے یہ کیا' ہاں؟''

نوشیرواں کا سانس رک گیا۔ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

(ہاشم بھائی کو اتنی جلدی کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ ابھی تو وہ وہیں خون میں گرا پڑا ہوگا۔)

''وہ.....آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں سمجھا نہیں۔'' اٹک اٹک کر' سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے کہنا چاہا۔ جواب میں ہاشم نے ہاتھ بڑھا کر میز پہ رکھے پیکٹ اٹھائے اور زور سے اس کے گھٹنوں پہ دے مارے۔ سارے پیکٹ شیرو کے قدموں میں جا بکھرے۔

''اوہ.....یہ.....'' ایک ریلیف کا احساس تھا جس نے شیرو کا سانس بحال کیا۔ اس کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ ذرا سے شانے اچکا کر وہ الماری کی جانب بڑھا۔ ہاشم ایک دم تپ کر اٹھا۔

''تمہیں اندازہ ہے یہ کیا ہے؟ یہ تمہاری بربادی ہے۔ تم.....''

''کس نے بتایا آپ کو؟'' وہ بے پرواہی سے الماری کھولے اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

''کس نے بتایا مجھے؟ یعنی کہ اور لوگوں کو بھی معلوم ہے؟ کیا صرف میں بے خبر تھا؟'' وہ الٹا اتنے غصے سے بولا کہ نوشیرواں کو اس کی سچائی پہ ذرا بھی شک نہ گزرا۔ ویسے بھی یہ مسئلہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

''شیرو اگر آئندہ میں نے تمہیں دیکھا کہ تم.....''

''نہیں لوں گا ڈرگز' بس ٹھیک ہے' سن لیا ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں کچھ بدلا ہوا تھا۔

''کہاں سے آرہے ہو تم؟'' کھوجتی نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتے اس نے جس انداز میں پوچھا' نوشیرواں نے چونک کر چہرہ گھمایا' پھر فوراً نظریں چرا کر واپس ہونے لگا کہ.....

''ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ' کہاں سے آرہے ہو تم؟'' نوشیرواں نہ چاہتے ہوئے اس کی جانب مڑا۔

''میں باہر تھا۔ یونہی آگے پیچھے۔''

''جھوٹ مت بولو۔ کدھر تھے تم؟'' اس کی آنکھوں سے لمحے بھر کو بھی نظریں ہٹائے بغیر ہاشم اسے دیکھے جا رہا تھا۔ شیرو نے اکتا کر ادھر ادھر دیکھا۔

''کیا میں بچہ ہوں جو ہر بات کی رپورٹ دیا کروں؟''

''تم....'' ہاشم کچھ سوچتے سوچتے چونکا۔ ''تم سعدی کے پاس تو نہیں گئے؟''

''میں کیوں جاؤں گا اس کے پاس؟'' وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''مجھے معلوم ہے تم اسی کے پاس گئے ہو گے۔ پتہ نہیں کیا کیا کہہ دیا ہو گا تم نے اسے۔ میں کتنی دفعہ تمہیں کہوں گا کہ اسے تنہا چھوڑ دو میں اسے سنبھال لوں گا۔ کہاں ہے وہ اس وقت؟'' جیب سے موبائل نکالتے ہاشم نے پوچھا تھا۔

''مجھے کیا پتہ وہ کہاں ہے۔ کیا میں اس کا گارڈ ہوں؟'' وہ بگڑ کر بولا تھا۔ اس کے انداز پہ نمبر ملاتے ہاشم نے صرف اسے گھورنے پہ اکتفا کیا' پھر موبائل کان سے لگایا۔ نوشیرواں خفگی سے منہ میں بڑبڑانے لگا۔

''کیا کہا ہے تم نے اسے؟ تم مجھے بتا دو' ورنہ وہ مجھے بتا دے گا اور....'' موبائل کان سے لگائے وہ درشتی سے کہہ رہا تھا جب بیڈ پہ گرے شیرو کے کوٹ میں کچھ تھرتھرانے لگا۔ ان دونوں نے اس طرف دیکھا۔ شیرو کا رنگ پھیکا پڑا' اور ہاشم... وہ چونک کر' قدرے تعجب سے آگے بڑھا' اور کوٹ میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سعدی کا وائبریشن پہ لگا فون ہاتھ میں تھا۔ اس نے بے یقینی سے شیرو کو دیکھا جو بالکل چپ کھڑا تھا۔

''یہ اس کا فون تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟'' دونوں فون اس نے بیڈ پہ ڈالے اور اب جب وہ شیرو کے سامنے آیا تو غصیلی نگاہوں میں بے پناہ سختی تھی۔ ''بولو۔''

نوشیرواں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے اور اس کا فون اٹھا لایا ہوں۔''

''بکواس مت کرو۔'' ہاشم نے اکتا کر اسے دیکھا۔ ''مجھے سیدھی طرح بتاؤ' کیا کہہ کر تم نے اس کا فون چھینا ہے؟ تم ایسا...''

''کیا آپ نے سنا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ ''میں نے سعدی کو شوٹ کر دیا ہے۔'' پھر تیزی سے آگے بڑھا' کوٹ اٹھا کر اندر سے پستول نکال کر اس کے سامنے میز پہ ڈالی۔ ''پوری تین گولیاں ماری ہیں۔ اب نہیں بچے گا۔'' اعتراف نے کوئی سرشاری سی سارے وجود پہ انڈیل دی۔ گردن کڑا کر اس کے سامنے کھڑے وہ بولا تو ہاشم بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ سانس روکے' شل سا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا نا' یہ وہ مسئلہ ہے جسے آپ نہیں سنبھال سکتے۔ سو آج میں نے مسئلہ ختم کر دیا۔''

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کے ذہن کو اس کے الفاظ سمجھنے میں چند لمحے لگے تھے' اور جب' سمجھ آیا تو.... اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' چہرے پہ سرخی اتری۔ وہ آگے بڑھا ہاشم آگے اور نوشیرواں کے چہرے پہ چٹاخ چٹاخ دو تھپڑ لگائے۔ وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بوکھلا کر دوسری طرف لڑکھڑایا' دیوار کا سہارا لے کر سنبھلا اور منہ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا' جو تیز تیز سانس لیتا اتنے ہی صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے.... تم نے اسے گولی ماردی؟ اوہ میرے خدا! تم.... تم گھٹیا انسان....'' اس کا گریبان پکڑ کر غصے سے اس کو جھٹکا دیتے' وہ چلایا تھا۔ ''تم نے کیسے اسے گولی ماردی؟ کدھر ہے وہ؟ کدھر پھینک آئے ہو اسے؟''

بالکل گنگ ہوئے شیرو کا گریبان چھوڑا اور ماتھے پہ ہاتھ رکھے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا۔ اس کا دماغ گویا بھک سے اڑ چکا تھا۔

''وہ مرتو نہیں گیا؟ کیا وہ زندہ تھا جب تم وہاں سے آئے ہو؟ بتاؤ؟'' غصے کی جگہ پریشانی نے لے لی' وہ دوبارہ اس کی طرف لپکا' شیرو کا سرخود بخود اثبات میں ہل گیا۔

''اوہ میرے خدا.... نوشیرواں یہ تم نے کیا کیا؟ تم کیسے اس کی جان لے سکتے ہو۔'' ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ متعجب ہوا۔

''آپ کو کیوں اس کی اتنی فکر ہے؟ کیوں اتنی محبت ہے آپ کو اس سے؟''

''نوشیرواں!'' ہاشم نے آگے بڑھ کر اس کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''اس نے.... تمہاری.... جان بچائی تھی! کیا تم بھول گئے ہو؟ کیا تم نے اس شخص پہ گولی چلائی جس نے تمہاری جان بچائی تھی؟''

اور ایک لمحے کو نوشیرواں کا دل بالکل خالی ہو گیا۔ وہ ٹکر ٹکر ہاشم کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ اسے چھوڑ کر پھر سے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔

''یہ.... یہ فون اور گن' اسے تم ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے اب۔'' دونوں چیزیں اٹھاتے ہوئے اس نے سختی سے اسے تنبیہہ کی۔ پھر اپنا موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ ''اگر تم اس کمرے سے نکلے تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔ سمجھے؟۔ پتہ نہیں وہ بچا یا نہیں۔'' فون کان سے لگاتے' وہ تیز سانسوں کے درمیان' اور بے رنگ ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''ہاں خاور' فوراً گھر آؤ۔ جلدی.... ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔'' عجلت سے کہتا' گن اور فون لئے وہ کمرے سے باہر نکل گیا' تو پیچھے ہر طرف ویرانی اور خاموشی چھا گئی۔ نوشیرواں دونوں ہاتھ پہلو میں گرائے' ہنوز ہکا بکا سا کھڑا تھا۔

❖❖❖

میرے صبر پہ کوئی اجر کیا؟ مری دوپہر پہ یہ ابر کیوں؟ ..... مجھے اوڑھنے دے اذیتیں، مری عادتیں نہ خراب کر!

ہسپتال میں دوائیوں کی بو کے ساتھ کوئی نحوست تھی جو ہر سو پھیلی تھی۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں انسان کو اس کے دکھ لے کر آتے تھے۔ آپریشن تھیٹر کے باہر جگہ جگہ پولیس اہلکار دکھائی دیتے تھے۔ راہداری میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ فارس بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار مڑ کر بند دروازوں کو دیکھتا' اور پھر زمر کو جو دیوار سے لگی' سفید چہرہ لئے' بالکل خاموش' گم صم کھڑی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پہ جمی تھیں' اداس میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ وہ روئی نہیں تھی' سو اس کا ہلکا میک اپ' آویزے' خوبصورت لباس ویسے ہی دمک رہے تھے' مگر چہرے کی بے رونقی نے سب ویران کر دیا تھا۔ واحد آواز حنین کے رونے کی تھی۔ وہ زمر کے قریب کھڑی' سر جھکائے' گھٹا گھٹا سا روئے جا رہی تھی۔ پھر اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ گیلی آنکھوں سے فارس کو دیکھا۔

''ماموں.... اتنی دیر ہو گئی۔ یہ لوگ باہر کیوں نہیں آتے؟ کوئی کچھ بتاتا کیوں نہیں ہے؟''

فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔ ''سرجری ہو رہی ہے' وقت لگے گا۔ اگر دوبارہ امی کا فون آئے تو وہی کہنا جو پہلے کہا ہے' کہ ہم ہدی کے کسی دوست کے لئے ادھر ہیں...''

''مگر بھائی کو کون گولی مار سکتا ہے؟''

''ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ تم بس دعا کرو۔'' وہ سر جھٹکتے دوبارہ ٹہلنے لگا۔ حنہ چونکی۔ ''دعا۔'' اسے کچھ یاد آیا۔

''میں.... میں اب نہیں روؤں گی۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے گیلی آنکھیں رگڑیں۔ اور دوپٹہ سر پہ رکھ کر چہرے کے گرد لپیٹنے لگی۔ ''میں دعا کروں گی۔ دعا کے علاوہ کوئی چیز مقدر نہیں بدلا کرتی۔'' آنسو بار بار ابل کر آ رہے تھے' وہ پوروں سے ان کو صاف کرنے لگی۔ ''مصیبت اوپر سے آتی ہے' اور دعا نیچے سے جاتی ہے۔ جو زیادہ شدید ہو گی' وہ جیت جائے گی۔ مجھے یقین ہے۔ اب دیکھئے گا آپ' میں دعا کروں گی اور کیسے بھائی ٹھیک ہو جائے گا۔ ہے نا؟'' آخر میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ وہ چلتے چلتے اس کے پاس ٹھہرا' اداسی سے اس کا چہرہ دیکھا' پھر اس کا چہرہ تھپتھپا کر اپنے کندھے سے لگایا' حنین کے گرم گرم آنسو پھر سے گرنے لگے۔

''دعا کرو۔'' اس کا سر تھپک کر' وہ اس سے علیحدہ ہوا تو حنہ اثبات میں گردن ہلاتی' ہاتھوں کا پیالہ بنائے' زیر لب کچھ بڑبڑانے لگی۔

فارس نے دوبارہ قدم اٹھاتے ہوئے زمر کو دیکھا جو ہنوز سرد دیوار سے ٹکائے بت بنی دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بالکل ویران تھیں۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور فارس کا ریڈور کا موڑ مڑ گیا۔ چند لمحے بعد جب واپس آیا تو ہاتھ میں شاپر میں لپٹی ٹھنڈے پانی

کی بوتل تھی۔

حنہ کے قریب آ کر اس نے ہلکا سا اس کے کندھے کو چھوا۔ حنہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''اپنی پھپھو سے کہو پانی پی لیں۔'' بوتل شاپر سے نکال کر اسے تھماتے سرگوشی کی۔ حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا جو تھیٹر کے دروازے کو تک رہی تھی۔ پھر فوراً بوتل لے کر اس تک آئی۔

''پھپھو.... پانی پی لیں۔'' اس نے زمر کی کہنی چھو کر کہا تو وہ چونکی۔ چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔ پھر بے اختیار نگاہیں اٹھیں اور فاصلے پہ کھڑے فارس کے ہاتھوں تک جا ٹھہریں۔ خالی شاپر۔ اس نے دوبارہ بوتل کو دیکھا۔

''مجھے پیاس نہیں ہے۔'' وہ بنا تاثر کے کہہ کر رخ پھیر گئی۔

''تھوڑا سا ہی پی لیں۔'' مگر زمر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حنین نے بے بسی سے فارس کو دیکھا' وہ گہری سانس لے کر وہاں سے ہٹا اور راہداری میں چکر کاٹنے لگا۔

انتظار بہت تکلیف دہ تھا۔

.....❖❖❖.....

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں ..... جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

آپریشن تھیٹر کے اندر' میز پہ سعدی' اپنے اوپر جھکے لوگوں' خود سے جڑی نالیوں' اور اپنے ماس کو کاٹتے اوزاروں سے بے خبر' بند آنکھوں سے لیٹا تھا۔ اس کی پلکوں کے پیچھے ایک اور دنیا تھی۔ وہاں نہ خون تھا' نہ ہتھیار تھے۔

نہ گولیاں.... نہ تکلیف.... نہ آنسو....

وہ ایک تازہ سی صبح تھی جس میں چڑیوں کی چہچہاہٹ گونجتی تھی۔ ایک چشمہ تھا' جس کے کنارے پتھروں پہ ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے گورے سفید پیر ٹھنڈے پانی میں ڈبو رکھے تھے۔ ساتھ والے پتھر پہ ایک لڑکی بیٹھی تھی' جس کے لمبے گھنگریالے بال کمر تک آتے تھے اور وہ جھک کر پانی میں بانس کی لمبی چھڑی سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کی ناک میں سونے کی بالی جیسی نتھ تھی اور کم عمر چہرے پہ سوچ کا عنصر تھا۔ اس نے بھی پاجامہ ذرا اوپر فولڈ کر کے پیر پانی میں ڈبو رکھے تھے۔

''مگر....'' لڑکے نے قدرے فکرمندی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے نا' اتنے بہادر اور اچھے.... پھر وہ فرعون کے پاس اکیلے کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے کیوں کہا کہ انہوں نے ہارون کو ساتھ لے کر جانا ہے؟ کیا ان کی زبان میں واقعی لکنت تھی؟''

''ارے نہیں۔'' لڑکی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''انبیاء جو ہوتے ہیں نا سعدی وہ معصوم اور عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ اگر تمہارا درست نہیں' تو تم مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی۔ یہ صرف اسرائیلیات کی وہ روایتیں ہیں جن کو مسلمان مفسرین بغیر کسی ثبوت یا دلیل کے quote کرتے رہتے ہیں۔ موسیٰ کی زبان میں لکنت نہیں تھی' وہ صرف بہت فصیح نہیں تھے اور ان کے بھائی ہارون زیادہ اچھا بول سکتے تھے۔''

''تو کیا صرف اس لئے وہ لے کر گئے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ؟'' لڑکے نے کنکر پانی میں اچھالتے پوچھا تھا۔

''ہاں اور اس لئے بھی کہ جو سپورٹ انہیں چاہیے تھی' وہ ان کو اپنے بھائی سے ہی مل سکتی تھی' کیونکہ ہر انسان اپنے بھائی کا رکھوالا ہوتا ہے۔''

دوسرا کنکر پھینکتا اس کا ہاتھ رکا' وہ ٹھہر کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔

''مگر میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے' پھر میرا Keeper کون ہوگا؟''

وہ لڑکی ہلکی سی ہنسی' پھر بازو اس کے کندھے کے گرد پھیلا کر اسکے قریب چہرہ کر کے بولی۔ ''تمہاری Keeper میں ہوں۔ میں

''میں ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گی۔ ہمیشہ....'' آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ چشمے کا منظر وقت کے آسمانوں میں گھلتا گیا....گھلتا گیا...اور ٹیبل پہ لیٹے مریض کی بند آنکھوں کے پیچھے اندھیرا چھانے لگا۔

.....❖❖❖.....

جس سے پہلے بھی کئی عہدِ وفا ٹوٹے ہیں، ..... اسی دوراہے پہ چپ چاپ کھڑا رہ جاؤں

باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ سیاہ اور خوفناک۔ ایسے میں سڑک کنارے کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا ہاشم کاردار فکرمندی سے ناخن چبا رہا تھا جب دوسرا دروازہ کھلا۔ اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ خاور اندر بیٹھ رہا تھا۔

''کیسا ہے وہ؟'' ہاشم نے بے قراری سے اس کا چہرہ کھوجا۔

خاور نے گہری سانس لی۔ ''اچھی خبر نہیں ہے۔''

ہاشم کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں کرب سا اترنے لگا۔ ''کیا وہ....مر جائے گا؟'' الفاظ کہنا بھی تکلیف دہ تھا۔ خاور نے گویا ہمدردانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''خبر یہ ہے کہ وہ بچ جائے گا' اور میرا خیال ہے' یہ ہمارے لئے اچھی خبر نہیں ہے۔''

''وہ بچ جائے گا؟'' وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''جی۔ میں نے معلوم کیا ہے۔ ایک گولی کندھے میں لگی ہے' دوسری پیٹ میں اور تیسری ٹانگ میں۔ کوئی بھی گولی مہلک نہیں ثابت ہوگی۔ نوشیرواں کا نشانہ اچھا ہے مگر ظاہر ہے' وہ ڈرگز کے زیرِ اثر تھے' اور غصہ میں بھی اس لئے....'' اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''وہ...وہ بچ جائے گا نا!'' ہاشم نے بے چینی سے بات کاٹی۔

''جی...میں لکھ کر دے سکتا ہوں' وہ بچ جائے گا' اور اگلے دو تین گھنٹوں میں ہوش میں آ کر سب کو بتا دے گا کہ اسے کس نے گولی ماری تھی۔ اور صرف یہی نہیں' وہ یہ بھی بتائے گا کہ ہم نے اور کیا کیا ہے۔'' برہمی سے وہ کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔

چند لمحے کار میں خاموشی چھائی رہی۔ گہرا سکوت۔

''ہو سکتا ہے' وہ نہ بتائے۔'' ہاشم نے تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ خاور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''سر' میں آپ کی اس بچے کے لئے فیلنگز کی بہت قدر کرتا ہوں' مگر معذرت کے ساتھ' وہ آپ کے لئے ایسی کوئی فیلنگ نہیں رکھتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی سب بک دے گا' اور اس کے بعد فارس اتنی ہی گولیاں نوشیرواں کو مارے گا۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ لوگ ہمیں چھوڑ دیں گے؟''

''تو پھر کیا کروں؟'' وہ بے زار ہوا' مگر اس بے زاری میں تکلیف تھی۔

''کیا مطلب کیا کریں؟ ہمیں اس وقت ایک ہی چیز کرنی ہے۔ سرجری ختم ہوتے ہی میرا کوئی لڑکا اسے ایک ذرا سا انجیکشن لگا دے گا' اور....''

''خاور!'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا غرایا تھا۔ ''میں سعدی کو نہیں ماروں گا۔ وہ...وہ ایک چھوٹا بچہ ہے۔''

''آپ کچھ مت کریں' میں کروں گا جو کرنا ہے' اس کا مرنا ضروری...''

''اگر تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا' تو میں خدا کی قسم تمہیں اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گا۔'' انگلی اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ اتنی سختی سے بولا کہ خاور ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''You love the boy,don't you?''۔ خاور کو افسوس ہوا تھا۔ ہاشم نے سر جھٹکا۔

''میں قاتل ہوسکتا ہوں' مگر میں درندہ نہیں ہوں جو اس کو.... یوں مار دوں۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

''او کے' اور نوشیرواں کا کیا ہوگا؟ میرا خیال ہے۔ اس وقت آپ کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آپ کو ان دونوں میں سے کس سے زیادہ محبت ہے؟''

ہاشم نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر تکلیف سے آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت ڈسٹرب نظر آرہا تھا۔ خاور نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ وقت نکل رہا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے شیرو سے کئی گنا زیادہ محبت ہے۔ سعدی کو خاموش کروانا ضروری ہے۔ او کے!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اب تم وہ کرو جو میں تمہیں کہتا جاؤں....'' خاور توجہ سے سننے لگا۔

❖❖❖

بچھڑے لوگ کبھی بھی لوٹ کے نہیں آتے دوست ..... بس فقط یادوں کے کچھ نشان ہوا کرتے ہیں

سفید راہداری ابھی تک خاموش تھی۔ زمر ہنوز اسی طرح کھڑی آپریشن تھیٹر کے دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ حنین زمین پہ اکڑوں بیٹھی چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرائے دعا مانگ رہی تھی۔ فارس مخالف دیوار سے کمر ٹکائے' ایک گھٹنا موڑے' کھڑا تھا۔

اردگرد پولیس اہلکار ہنوز پہریداری کر رہے تھے۔ وردی میں ملبوس سرمد شاہ بھی وہیں تھا' مگر ایک حد سے وہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس فاصلے پہ کھڑا احتیاط سے فارس کو دیکھ لیتا' جو گاہے بگاہے اس پہ ایک تیز نظر ڈالتا تھا۔ اس نے زمر سے بات کرنے کی کوشش کی تو فارس نے صرف ہاتھ اٹھا کر اسے رک جانے کا کہا اور وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

(سرمد شاہ وہی اے ایس پی تھا جس نے فارس غازی کو چار سال قبل گرفتار کیا تھا۔ جو فارس کے گھر جا کر اس کی گاڑی سے ملنے والی وارث سے جڑی چیزیں اسے دکھا کر اس کیس سے علیحدہ رہنے کی دھمکی دے کر آیا تھا۔ اور حوالات میں تو اس سے روز کی ملاقات رہتی تھی۔ اور اس ملاقات کے نشان فارس کی کمر پہ آج تک موجود تھے۔)

کتنے گھنٹے بیت چکے تھے' کسی کو یاد نہیں تھا۔ جب دروازے کھلے تو سب ادھر ہی بڑھے۔ زمر سب سے آگے تھی۔

''وہ کیسا ہے؟'' اس نے پریشانی سے سرجن کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ آواز اتنی ہی ہلکی تھی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔

''آپ فکر مت کیجئے' وہ ٹھیک ہے۔ آپریشن ہو چکا ہے' اور اب وہ Stable ہے۔ کچھ دیر تک اسے وارڈ میں شفٹ کر دیں گے۔''

کیا وہ صرف الفاظ تھے یا کوئی روح تھی جو ان میں پھونک دی گئی تھی۔ حنہ نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ اس کی ہچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ فارس نے نڈھال سے دیوار سے کمر لگا کر آنکھیں بند کیں۔ اور زمر.... وہ بس یک ٹک ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟''

''ایک دفعہ وارڈ میں شفٹ میں ہو جائے تو آپ مل سکیں گی۔'' وہ آگے بڑھنے لگے' زمر فوراً ان کے پیچھے لپکی۔

''کب.... کب شفٹ کریں گے وارڈ میں؟''

''بس تھوڑی دیر تک۔''

زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنہ اور فارس کے برعکس' اس کے چہرے پہ اطمینان نہیں اترا تھا۔ وہ وہیں کھڑی' بے چین منتظر نگاہوں سے تھیٹر کے بند دروازوں کو دیکھنے لگی۔

کافی دیر بیت چکی' اور وہ سعدی کے باہر لانے کا انتظار کرتے رہے۔ فارس اب ادھر ادھر ٹہلتا' بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

حنین گیلا چہرہ صاف کیے' ہلکا سا مسکراتی ہوئی اب کھڑی ہوئی تھی۔ زمر ویسی ہی گم صم دیوار سے لگی تھی۔

تھیٹر کے دروازے کھلے اور ایک سسٹر باہر نکلی تو فارس اس کی طرف لپکا۔

''کب شفٹ کریں گے سعدی کو؟ اسے ہوش آ گیا؟''

نرس نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ''وہ مریض جس کو گولیاں لگی تھیں؟ اس کو تو شفٹ کر دیا گیا ہے کب کا۔''

فارس کے ابرو تعجب سے اکھٹے ہوئے۔ ''ہم تب سے یہیں کھڑے ہیں' اسے تو باہر نہیں لایا گیا۔''

''ارے' وہ بیک ڈور سے لے کر گئے ہیں نا وارڈ میں۔'' اس نے او۔ٹی کے دوسرے دروازے کی سمت اشارہ کیا جو کاریڈور کا موڑ مڑ کر آتا تھا۔ یہاں سے دکھائی نہ دیتا تھا۔ فارس اور حنہ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر بے چینی سے آگے بڑھی۔

''کس وارڈ میں؟ پلیز مجھے اس طرف لے جائیں۔''

''آیئے۔'' وہ اپنا کام چھوڑ کر آگے چل دی تو زمر اس کے پیچھے لپکی۔ فارس اور حنین ساتھ ساتھ چلتے پیچھے آ رہے تھے۔

''یہ ادھر ہے آپ کا مریض۔'' وارڈ میں آ کر نرس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے گھومی اور... دفعتاً ٹھہر گئی۔

زمر نے چہرہ موڑ کر اطراف میں دیکھا۔ اجنبی چہرے غیر شناسا لوگ۔

''او ٹی ون سے جو بلٹ انجریز والا مریض ڈاکٹر بخاری نے بھیجا ہے' وہ کدھر ہے؟'' وہ کسی کو روک کر پوچھ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔ اس نے ویران نگاہیں اٹھا کر حنین کو دیکھا جو اتنی ہی متعجب لگ رہی تھی۔

''یہاں تو کوئی مریض نہیں لایا گیا۔''

''کیا مطلب؟ میرے سامنے وارڈ بوائز اسے لے کر گئے تھے۔''

ہر چیز سلوموشن میں ہوتی نظر آ رہی تھی۔

''کیسے غائب ہو سکتا ہے ہمارا مریض؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔ اگر اسے کچھ ہوا تو۔'' وہ غصے سے اس کی طرف لپکا تھا۔

اور پسِ منظر میں کوئی کہہ رہا تھا....

''وہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے دیکھا تھا' دو وارڈ بوائز اسٹریچر پہ پیشنٹ کو لا رہے تھے' مگر وہ ریسیپشن کی طرف جا رہے تھے۔''

اس نے دیکھا' فارس اس طرف بھاگا تھا۔ حنہ بھی پیچھے دوڑی تھی۔

سوالات' حساب کتاب' پولیس اہلکاروں کی بھاگ دوڑ۔ زمر ان سب میں اجنبیوں کی طرح قدم قدم چلتی گئی'... چلتی گئی۔ یہاں تک کہ ریسیپشن ہال سامنے دکھائی دینے لگا۔ فارس تلخی اور غصے سے' بازو اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا پولیس آفیسر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ارد گرد افراتفری سی مچی تھی۔ حنین حیران پریشان سی گردن گھمائے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ اسے سست قدموں سے آتے دیکھا تو دوڑ کر اس تک آئی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ بھائی کہاں ہے؟''

زمر نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ اسے لے گئے ہیں۔'' اس کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔ ہلکی' سرگوشی کی طرح۔

''کون؟ کون لے کر جا سکتا ہے بھائی کو؟''

زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''کون ہیں؟ مجھے نہیں پتہ۔ مگر.... یہ وہی ہیں جنہوں نے اس کو گولی ماری ہے۔'' اس کی ویران نگاہیں فارس پہ جا ٹھہریں جو ایک پولیس اہلکار کے ہمراہ تیزی سے باہر جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ زمر نے یاسیت سے سر جھٹکا۔ ''وہ ہمارے بچے کو ہمارے ہاتھوں سے لے گئے ہیں' اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔'' وہ ہال کے کنارے نصب بینچ پہ بیٹھ گئی اور سر دیوار سے ٹکا دیا۔ حنین' جو ابھی تک

حیران پریشان کھڑی تھی۔ایک دم سے رونے لگی، پہلے ہلکی اور پھر اونچی آواز سے۔

ان دونوں کا ردِعمل دینے کا طریقہ اتنا ہی مختلف تھا جتنی وہ خود ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

.....❖❖❖.....

ہر کسی کے جلنے کا اپنا انداز ہوتا ہے ..... پروانے جتنے بھی جلیں، مگر دیا نہیں ہوتے

رات کی سیاہی نے صبح کی سفیدی کو جگہ دی اور نیلاہٹ بھرا اندھیرا قصرِ کاردار پہ اترنے لگا۔نوشیرواں کے کمرے کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔وہ تیز اے سی کی ٹھنڈ میں لحاف تانے' سینے کے بل سو رہا تھا۔دفعتاً اس نے کروٹ لی اور چہرہ اوپر ہوا تو بند آنکھوں سے منہ بگاڑا۔ کچھ سونگھا۔دھواں۔بو۔وہ آنکھیں چندھیا کر ادھر ادھر دیکھتا اٹھ بیٹھا۔پلکیں جھپکائیں' ذرا بصارت واضح ہوئی تو اس کے چہرے پہ شاک ابھرا۔منہ ذرا سا کھل گیا۔

سامنے صوفے پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کہنی صوفے کے بازو پہ رکھے' وہ سگریٹ انگلیوں میں پکڑے' منہ سے نکال رہا تھا۔دھوئیں کا مرغولہ سا لبوں سے نکلا اور اوپر اٹھتا گیا۔میز پہ شیرو کے پستول کے ساتھ اس کے سگریٹ اور منشیات کے پیکٹ پڑے تھے' ایک پیکٹ تازہ کھولا گیا لگتا تھا۔نوشیرواں کی پریشان نگاہیں واپس ہاشم کے چہرے تک اٹھتی گئیں۔وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا' اور اس کی آنکھیں گیلی تھیں' ناک سرخ تھی۔

''کیا وہ مر گیا؟'' اس نے ہلکے سے پوچھا۔ہاشم نے چہرہ اس کی طرف موڑا....اس کی گیلی آنکھوں میں گلابی رگیں ابھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔

''میں اسے نہیں مار سکتا تھا' اس لئے یہاں سے دور بھیج دیا ہے۔بے فکر رہو' وہ اب کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا۔'' وہ بولا تو آواز زکام زدہ سی لگتی تھی۔''پولیس ہماری' ہسپتال کا عملہ ہمارا' قانون ہمارا۔نہ تمہیں کسی نے اس کالونی میں جاتے دیکھا' نہ نکلتے۔ہسپتال میں کافی شور ڈالا فارس نے' مگر اب تھک ہار کر وہ لوگ گھر جا چکے ہیں۔اب جتنا تلاش کر لیں' وہ انہیں نہیں ملے گا۔مبارک ہو نوشیرواں' تمہارے بھائی نے ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی تمہارا پھیلایا کچرا سمیٹ لیا ہے۔'' سگریٹ لبوں تک لے جاتے اس نے تلخی اور طنز سے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔مگر اس کی نظروں کی ملامت....نوشیرواں کی آنکھوں میں خفگی اتری۔

''کیا وہ ابھی بھی زندہ ہے؟ آپ نے اسے کیوں بچایا؟''

''تم فکر مت کرو۔تم بس سو جاؤ۔اسٹین فورڈ میں میرا ایک پروفیسر تھا۔'' جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ کا ٹکڑا مسلا۔''وہ کہا کرتا تھا' قاتلوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔قتل کرنے کے بعد ان پہ نیند ضرور طاری ہوتی ہے۔مجرم کو کھوج لگانے کے لئے ہم پہلے اسی جگہ کا تعین کرتے ہیں جہاں وہ جا کر سویا تھا۔تم بھی سو جاؤ۔کیونکہ یہ وہ آخری پرسکون نیند ہے جو تمہیں ملے گی۔''

''آپ اتنے اَپ سیٹ کیوں ہیں؟ ایک بندہ مارنے سے کون سی قیامت آ جاتی ہے۔آپ نے بھی تو....'' حدِ ادب تھا کہ بے زاری سے کہتے کہتے بھی وہ رک گیا۔

''قتل چھوٹی بات نہیں ہوتی نوشیرواں۔'' وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے گیلی آواز سے بولا تھا۔

''میں کاردار ہوں' مجھے کوئی پولیس نہیں گرفتار کر سکتی۔چند دن بعد میں سب اسے بھول جائیں گے۔''

''کسی کا مرا ہوا بچہ بھی پیدا ہو تو وہ اسے نہیں بھولتا' تم کہتے ہو وہ اسے بھول جائیں گے؟''

''کیا آپ نے دو لوگ نہیں مارے تھے؟ کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں!''

''ہاں سارا قصور میرا ہے۔غلط کیا میں نے تمہیں بتا کر۔'' غصے اور دکھ سے کہتے اس نے سگریٹ کھڑکی کی طرف پھینکا۔''وہ دو لوگ

میرے کچھ نہیں لگتے تھے' وہ دو اچھے مگر عام سے لوگ تھے۔تم نے شیرواس پہ گولی چلائی جوان کے خاندان کا ہیرو تھا۔ابھی وہ شاک میں ہیں چوبیس گھنٹوں میں یہ شاک صدمے میں بدلے گا۔اور پھر غصے میں۔وہ اسے ڈھونڈیں گے'اور اس کے مارنے والے کو بھی...مگر تم بے فکر رہو۔ تمہارا بھائی ہے نا! تمہیں بچالے گا' ہمیشہ کی طرح!'' اس نے زکام زدہ انداز میں سانس ناک سے اندر کھینچا۔

''آپ کو وہ اتنا پسند ہے کیا؟'' نوشیرواں خفگی سے چہرہ جھکائے بڑبڑایا۔جواب میں ہاشم نے میز پہ رکھے' بڑے سائز کے فوٹو گراف اٹھا کر اس کی طرف اچھالے۔ساری تصویریں بیڈ اور فرش پہ گر گئیں۔

''یہ دیکھو' تم نے کیسے اس کے چہرے پہ مارا ہے۔تین گولیاں مارنے کے بعد بھی تم نے اسے مارا۔وہ انسان کا بچہ تھا نوشیرواں' ایسے تو کوئی جانور کو بھی نہیں مارتا۔'' دکھ اور غصے سے اس نے شیرو کو ملامت کیا۔وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

''خیر....یہ سب اب ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔میں یہاں صرف ایک سوال کا جواب لینے بیٹھا ہوں۔'' شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اب ذرا خود کو سنبھالتے ہوئے' سنجیدگی سے اس کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔

''تم نے مجھے بتایا کہ کیسے تم اس کے پیچھے گئے' اس کو تین گولیاں ماریں اور واپس آ گئے۔پولیس رپورٹ کے مطابق بھی اس کو تین گولیاں ہی لگی ہیں۔مگر نوشیرواں کا ردار' میں جانتا ہوں کہ یہ پورا سچ نہیں ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' شیرو کے تاثرات بدلے رنگ پھیکا پڑا۔

''تم نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے۔اور اب تم مجھے بالکل صاف صاف بتاؤ گے۔'' کہتے ہوئے اس نے پستول کا میگزین نکال کر شیرو کے سامنے کیا۔بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھے نوشیرواں نے تھوک نگلا۔

''یہ جی فورٹی ون ہے۔اس کے میگزین میں تیرہ گولیاں ہوتی ہیں۔تم میگزین بھرے بغیر تو گئے نہیں ہو گے' سو اگر تیرہ میں سے تین گولیاں تم نے سعدی کو ماری ہیں تو باقی کتنی بچنی چاہییں؟''

''دس!'' شیرو کی آواز ہلکی تھی۔

''مگر اس میں سات گولیاں ہیں۔اور اگر تم نے مجھے نہ بتایا کہ وہ باقی تین گولیاں کہاں گئیں تو خدا کی قسم نوشیرواں میں یہ ساتوں گولیاں تمہارے سر میں اتار دوں گا!'' وہ جس طرح چبا چبا کر' اسے گھور کر بولا تھا' نوشیرواں کے پاس پسپائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''جب میں نے تیسری گولی مار کر' اس کا فون اٹھایا اور جانے لگا تو....'' کہنے کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے وہی خوفناک منظر پھر سے تازہ ہوا۔

وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون میں لت پت سعدی گرا پڑا تھا۔آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کوکین ہرن کرنے لگی تھی۔وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا' جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے' اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

تب ہی....جب کہ وہ مڑنے لگا تھا' اس نے وہ آواز سنی۔زیرِ تعمیر گھر کے اندر سے کوئی کھٹکا ہوا تھا۔کسی بلی کے بچے کی سی آواز۔ہلکی سی کراہ۔وہ چونک کر واپس گھوما۔اندھیرے میں آنکھیں سکوڑ کر دیکھا۔

''اے...کون ہے ادھر؟'' پستول سیدھا تانے وہ احتیاط سے قدم قدم چلتا گھر کے اندرونی حصے تک آیا۔وہاں گھپ اندھیرا تھا۔

''کون ہے؟ بولو....'' اس نے پکارا۔مگر خاموشی چھائی رہی۔مگر وہاں کونے میں کوئی حرکت سی ہوئی۔وہ کوئی ہیولہ سا تھا جو حرکت کر رہا تھا۔

نوشیرواں نے پستول تان کر' یکے بعد دیگرے فائر کیا۔پھر قریب آیا۔موبائل کی اسکرین روشن کر کے اس طرف ڈالی۔وہ سیمنٹ کا

ایک خالی پیپر بیگ تھا۔ جو سیڑھیوں کے ساتھ گرا تھا۔ وہ سر جھٹک کر مڑا اور باہر آیا۔ سعدی ہنوز وہیں گرا پڑا تھا۔ وہ ایک متنفر نگاہ اس پہ ڈال کر گیٹ کی طرف بڑھا' مگر.... کسی احساس کے تحت اس نے گردن موڑی۔

بنا دروازوں کے اس گھر کے ڈھانچے کی کچی پکی سیڑھیوں کے اوپر ...کوئی سایہ گم ہوا تھا۔ اسی وقت پسِ منظر میں پولیس کے سائرن بجنے لگے۔ وہ تیزی سے باہر کو دوڑا۔ چند منٹ بعد وہ بخیریت کافی دور کھڑی اپنی کار تک آ چکا تھا۔

''مجھے شیور نہیں ہے' مگر شاید وہاں کوئی تھا...شاید نہیں تھا۔'' اپنے کمرے میں بیٹھے سر جھکائے، نوشیرواں کہہ رہا تھا۔

ہاشم ایک دم اٹھا۔ سارا نشہ ہرن ہوا۔ ''کیا اس نے پچھلے قتلوں کا حوالہ دیا؟ میرا نام لے کر کچھ کہا؟''

''ہاں' بہت کچھ بولا تھا اس نے۔''

''تو پھر ظاہر ہے وہاں کوئی تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ وہاں کون ہے۔ اوہ' میرے خدا!'' بے اختیار اس نے ماتھے کو چھوا۔

''تمہیں کسی نے گولی چلاتے دیکھا ہے۔ یعنی کہ اب موقع کا گواہ بھی موجود ہے۔ لعنت ہے تم پہ نوشیرواں!'' غصے اور پریشانی سے سر جھٹک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

''تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟ مجھے دو۔ اور اپنا سامان تیار کرو۔ تم ابھی اس وقت ملک سے باہر جا رہے ہو۔ تم اس وقوعے کے وقت بھی ملک میں نہیں تھے۔ میں پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ کی ایگزیٹ Stamp لگوا دوں گا۔ پاسپورٹ لاؤ' جلدی!'' آخر میں وہ غصے سے چلایا۔ تو نوشیرواں تیزی سے بستر سے اترا اور الماری کی طرف لپکا۔

ان چند گھنٹوں میں پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے۔

.....❖❖❖.....

باب12:

یاصاحبی السجن

(اے میرے قید خانے کے دوساتھیو!)

ایک دن میرا وقت بھی آئے گا
اور تم قیمت چکاؤ گے اپنے کیے کی
اور تم دیکھو گے' کہ میں قطعاً اچھی نہیں ہوں
ایک دن میں آسیب کی طرح تمہیں ڈراؤں گی
یہ میرا وعدہ ہے جس کا ابھی تم کو اندازہ نہیں
مگر تم تب خواہش کرو گے کہ کاش
ہم کبھی نہ ملے ہوتے!
ایک دن!
کیونکہ میں کبھی نہیں بھولوں گی۔
اور تمہیں رحم کے لئے گڑگڑاتے کوئی نہ سن پائے گا
کیونکہ ابھی تو تم نے کچھ نہیں دیکھا
سوغور سے سنو۔
ایک دن تم جواب دو گے اپنے اعمال کا
بس انتظار کرو اور دیکھو۔
اور تب تم جانو گے میرے خاندان کو
نقصان پہنچانے کے بعد کیا ہوتا ہے!
ایک دن میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔
مجھے پرواہ نہیں کہ اس میں کتنی دیر لگتی ہے۔
یا مجھے اس کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے

کیونکہ میں کبھی اپنا وعدہ
توڑا نہیں کرتی!

(Petite Magique کی نظم ''انتقام'' سے)

سعدی یوسف کی گمشدگی کے پانچ گھنٹے بعد۔

آج صبح چھوٹا باغیچہ ویران پڑا تھا۔سورج کی تپش نے سارے پھول جھلسا دیے تھے۔

اندر لاؤنج میں ندرت کے رونے کی آواز سب سے اونچی تھی۔وہ چہرہ جھکائے نفی میں سر ہلاتی روئے جا رہی تھیں۔

''ہم اس کو ڈھونڈ لیں گے۔یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' فارس ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے ان کو تسلی دے رہا تھا۔اس کی آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں اور چہرے پہ تکان تھی۔

''اب کہاں ڈھونڈو گے؟ اب تک تو وہ اسے....'' اور دوپٹے میں چہرہ چھپائے اور زور سے رونے لگیں۔ان کا کندھا مسلتی حنین بھی ''امی خود کو سنبھالیں'' کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔سیم سر گھٹنوں میں دیے کارپٹ پہ بیٹھا تھا۔سامنے بڑے ابا، گردن گرائے، خاموش آنسو گرا رہے تھے۔

''وہ بالکل ٹھیک ہوگا' اور اس کا خیال رکھا جا رہا ہوگا۔'' سنگل صوفے پہ گھٹنے ملا کر بیٹھی زمر نے بے تاثر سے انداز میں کہا تو وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔وہ اب بھی اسی طرح گم صم' چپ سی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' ابا نے سر اٹھائے بغیر گیلی آواز میں پوچھا۔

''کوئی بھی بلٹ انجری مہلک نہیں تھی۔اگر انہوں نے اسے مارنا ہوتا تو پہلی دفعہ میں مار دیتے' یا پھر جیسے نکال کر لے گئے ہیں' اسی طرح آپریشن ٹیبل پہ مار دیتے۔ان کو وہ زندہ چاہیئے، اس لئے وہ اس کا خیال رکھیں گے۔''

''مگر کون ہیں وہ لوگ؟ بھائی نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟'' حنین نے بے بسی سے روتے پوچھا۔

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔''مجھے نہیں پتہ۔'' اور اٹھ کھڑی ہوئی۔پرس اٹھایا' چابیاں نکالیں۔حنین نے تحیر سے اسے دیکھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' زمر نے جواب دیے بنا اسٹریپ کندھے پہ ڈالی' موبائل بیگ میں رکھا۔فارس نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

''میں جا رہا ہوں تھانے۔آپ مت جایئے۔''

''میں گھر جا رہی ہوں۔'' کسی سے نگاہ ملائے بنا وہ مڑ گئی۔حنین کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔

''آپ بڑے ابا' امی' سب کو اتنی تکلیف میں چھوڑ کر جا رہی ہیں؟''

زمر کو عقب سے اس کی آواز آئی مگر وہ قدم قدم آگے بڑھتی رہی۔حنہ نے بے دردی سے آنکھیں رگڑیں۔

''ٹھیک ہے۔جایئے۔ہمارا بھائی جیئے یا مرے۔آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ نے تو ویسے بھی چار سال ان سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔'' زمر کے قدم لمحے بھر کو تھمے' پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

''حنین کم از کم اس وقت لڑائی مت کرو۔'' وہ خفگی سے ٹوکتا اٹھا۔حنہ نے صرف ملامتی نظروں سے اسے دیکھا اور رخ پھیر گئی۔امی گھٹا گھٹا سا ابھی تک رو رہی تھیں' اور بڑے ابا کے ضعیف چہرے پہ آنسو ہنوز ٹپک رہے تھے۔

''وہ اب کسی کو نہیں ملے گا، میری امید کھو گئی ہے۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہے تھے۔

.....❖❖❖.....

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے ..... جو محبتوں کے اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

اس نے انیکسی کا دروازہ کھولا تو اندر سناٹا تھا۔ وہ اسی زرد چہرے اور ویران آنکھوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ پھر لکڑی کے زینوں پہ قدم رکھتی چڑھتی گئی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پہ تھا۔ دوسرے میں پرس اور خاکی لفافہ تھام رکھا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر زمر نے پرس فرش پہ ڈال دیا۔ پھر خاکی لفافہ کھولا۔ فل سائز تصاویر نکالیں۔ پھٹے ہونٹ' سرخ نشانوں اور زخموں والا چہرہ لیے، بند آنکھوں سے لیٹا سعدی۔ خون آلود لباس۔ زمر نے ایک کے بعد ایک تصویر سامنے کی۔ اس کی بھوری آنکھیں اس لڑکے کی بند آنکھوں پہ جمی تھیں۔ خشک بھوری آنکھیں۔

پھر یکا یک ان میں پانی بھرا۔ اتنا کہ وہ ڈبڈبا گئیں۔ اور آنسو چہرے پہ تیزی سے لڑھکنے لگے۔ اس نے زور سے وہ تصویریں سامنے دیوار پہ دے ماریں اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئی۔ چہرہ جھکائے' مٹھیاں فرش پہ رکھے' وہ ایک دم بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

''کیوں اللہ؟ کیوں؟'' روتے روتے اس نے گیلا چہرہ اٹھا کر چھت کو دیکھا۔ ''کیا اتنے سال اسے اس لئے بڑا کیا تھا کہ کوئی آئے اور گولی مار کر چلا جائے؟ کیا ہم اپنے بچوں کو اس لیے بڑا کرتے ہیں؟ کیا آپ کی دنیا میں کوئی قانون نہیں؟ کوئی انصاف نہیں؟''

اس نے زمین پہ بیٹھے بیٹھے چہرہ بیڈ پہ رکھ دیا۔ دائیں گال پہ آنسو لڑھکتے دکھائی دے رہے تھے۔

''میں نے اسے کہا تھا کہ' میں اس کا خیال رکھوں گی۔ کئی سال پہلے، جب ہم کالام میں تھے۔ ایک چشمے کے کنارے اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس کا کوئی بھائی نہیں، تو اس کا کیپر کون ہوگا؟ میں نے کہا، میں ہوں گی۔ دو سال بعد سیم پیدا ہوا، مگر اسے تب بھی پتہ تھا کہ اس کی کیپر زمر ہوگی، ہمیشہ اس کا خیال رکھے گی، مگر میں اس کا خیال نہیں رکھ سکی۔ میں اسے نہیں بچا سکی۔ کیوں اللہ' کیوں؟'' وہ سسکیوں سے روئے جا رہی تھی۔

''میں اب پہلے کی طرح آپ سے بات نہیں کرتی' میں ویسے دعا نہیں مانگتی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ میرے پاس سعدی تھا۔' ماتھا بیڈ سے ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے کہہ رہی تھی۔

''کیسے کسی نے اس کو گولی ماردی؟ کیسے اس کو اتنی تکلیف دی؟ اللہ، کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا' وہ تو پھر انسان تھا۔'' وہ بولتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔ ''میں نے اللہ.... میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا' میں نے چار سال ضائع کر دیے۔ میں کہاں سے وہ وقت واپس لاؤں؟ پلیز میرے ساتھ یہ مت کریں۔'' سر بیڈ کنارے سے لگائے وہ بچوں کی طرح روئے جا رہی تھی۔

کتنے لمحے بیتے' سورج کتنا تیز ہوا' معلوم نہیں۔ وہ اسی طرح بے خبری روتی گئی۔ یہاں تک کہ دروازہ دھیرے سے کھٹکا۔ پھر کھلا۔ چوکھٹ میں کھڑے فارس نے اندر دیکھا تو ساری پولیس فوٹو گرافس بکھری نظر آئیں اور وہ زمین پہ بیٹھی' بیڈ کے کنارے پہ سر رکھے' رو رہی تھی۔ نیچے رکھا اس کا موبائل مسلسل زوں زوں کر رہا تھا۔

''زمر!'' وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا قریب آیا۔ آنکھوں میں تکلیف لئے زمر کو دیکھا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' اس نے چہرہ اٹھایا' نہ آنسو پونچھے۔ بس آپ جناب کا تکلف بھی آج ختم کیا۔

''نہیں چھوڑ سکتا۔'' وہ بہت ہلکا سا بولا تھا۔ پھر جھک کر اس کا موبائل اٹھایا۔

''بصیرت صاحب کا فون ہے۔''

''مجھے تنہا چھوڑ دو فارس۔'' وہ چہرہ اٹھا کر اسے متنفر نظروں سے دیکھتی ایک دم چلائی۔ ''جب بھی تم ہماری زندگیوں میں آتے ہو' کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ ہر چیز ہمیشہ تمہاری وجہ سے ہوتی ہے۔''

وہ چپ چاپ کھڑا، دکھ سے اسے دیکھے گیا۔

''مجھے نہیں پتہ اسے کس نے مارا' لیکن اگر اس کا کوئی دشمن بنا ہے تو صرف تمہاری وجہ سے۔تم نے ایک پڑھنے لکھنے والے بچے کو جیل کچہری اور عدالتوں کے چکر میں دھکیل دیا۔تم نے اس کو پتہ نہیں کتنوں کا دشمن بنا دیا۔ مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔'' ملامت سے اسے دیکھتی، وہ اونچا اونچا کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔

فارس خاموشی سے اس کے ساٹھ اکڑوں بیٹھا اور گھٹنوں کے گرد بازو پھیلائے۔پھر گردن گھما کر اسے یاسیت سے دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے اس کے دشمن میری وجہ سے بنے ہیں، میں نے اسے کہا تھا کہ میرے لئے غلط چیزوں میں انوالومنٹ ہونا۔مگر وہ ہوا۔میں جیل میں تھا' اسے نہیں روک سکتا تھا۔'' وہ بدقت بول رہا تھا۔اس کے انداز میں شدید تکلیف تھی۔

''تم ایک ہی دفعہ ہماری زندگیوں سے چلے کیوں نہیں جاتے؟ تمہاری وجہ سے ہم اور کتنا نقصان اٹھائیں گے؟ خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے تمہیں جان سے مار دوں۔'' دکھ پہ اب غصہ غالب آنے لگا۔وہ اس سے تین فٹ کے فاصلے پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ان الفاظ پر بھی چہرے پہ کوئی غصہ' کوئی تلخی نہ ابھری۔بس تکان سے اسے دیکھے گیا۔

''آپ جو کرنا چاہتی ہیں میرے ساتھ کرلیں۔میں آپ کو نہیں روکوں گا۔''

''بے فکر رہو۔'' زمر نے تلخی سے سر جھٹکا۔''میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔مجھے تم سے شادی بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔مگر خیر....'' اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔''میں نے اس سے وعدہ کیا تھا' کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔اور میں اپنے عہدے پورے کیا کرتی ہوں۔'' ساتھ ہی ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔''تم یہ مت سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے' ایک دفعہ میں سعدی کو ڈھونڈ لوں' پھر میں تم سے بھی حساب لوں گی' اس ایک ایک زخم کا جو تم نے میرے خاندان کو دیا ہے۔''

''آپ کو مجھ پہ غصہ ہے! اور آپ تکلیف میں ہیں' میں بھی ہوں۔مگر یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب مجھے یہ کہا گیا ہے کہ ہسپتال جاؤ، کیونکہ تمہارے خاندان کا کوئی فرد گولیوں سے بھون دیا گیا ہے۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے تکلیف اور دقت سے بولا تو گلے میں گولہ سا اٹکنے لگا مگر اس نے نگل لیا۔''لیکن میں آپ کی طرح رو نہیں سکتا۔میں رونا نہیں چاہتا۔میں اس ایک ایک شخص کو' جس نے میرا خاندان تباہ کیا ہے' ڈھونڈ کر اس کی چمڑی ادھیڑنا چاہتا ہوں۔'' اب کے اس کی آنکھوں میں درشتی ابھری اور گردن کی رگیں کھنچتی ہوئی دکھائی دیں۔زمر نے ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''مجھے کچھ مت سناؤ۔مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اور رخ موڑ لیا۔گیلی آنکھیں پھر سے رگڑ کر صاف کیں۔

''مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بات سنیں۔سعدی سے برابر کا رشتہ ہے ہمارا۔ٹھیک ہے آپ کا کچھ زیادہ ہوگا' مگر اس وقت ہمیں آپس میں لڑنے کی بجائے ایک ساتھ مل کر اس کو ڈھونڈنا ہوگا۔''

''اتنی توانائی مجھ پہ خرچ مت کرو۔میں اسے ڈھونڈ لوں گی' اور میں ہر اس شخص کو ڈھونڈوں گی جو اس میں انوالوڈ تھا اور پھر دنیا دیکھے گی کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔مگر یہ تمہاری بھول ہے فارس کہ میں اس سب میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔'' اس کو تیز نظروں سے گھورتی وہ چبا چبا کر بولی۔

''نہ آپ اسے اکیلی ڈھونڈ سکتی ہیں' نہ میں۔''

''مجھے تمہاری کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' تلخی سے کہتی وہ اٹھی۔''میں اکیلی سب کرلوں گی۔تمہارا کیا بھروسہ' کل کو مجھے بھی بیچ آؤ۔''

فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔دماغ کھول گیا تھا۔وہ تیزی سے اٹھا۔

''ایسا سمجھتی ہیں آپ مجھے؟'' غصے سے اس کے مقابل کھڑے پوچھا تو چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

''کیوں؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھ پہ گولی چلائی تھی؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے ہی غصے سے غرائی تھی۔ فارس کے لب بھنچ گئے' چند لمحے ضبط سے گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔

''میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں' کیا آپ چلیں گی؟'' بدقت ضبط سے سپاٹ سا پوچھا۔

''ہونہہ۔'' زمر نے نفی میں سر جھٹکا اور زمین پہ گرا موبائل اٹھایا۔ ''یہ ساری پولیس انہی لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یہ جتنی ناکہ بندیاں کرالیں' اسے نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔'' ساتھ ہی موبائل پہ مسڈ کالز دیکھ رہی تھی۔ اس کی ناک اور... آنکھیں ہنوز گلابی تھیں اور آنسو پھر بہنے لگے تھے۔ فارس کے چہرے کا سپاٹ پن قدرے کم ہوا۔

''مجھے پتہ ہے پولیس ملی ہوئی ہے' بے فکر رہیے' ان میں سے ایک ایک آفیسر کا وقت آئے گا۔'' اور جانے کے لئے مڑا۔ تبھی زمر نے فون کان سے لگایا۔

''جی بصیرت صاحب...'' وہ چوکھٹ میں ٹھہر گیا۔ مڑا نہیں۔ وہ عقب میں فون پہ کہہ رہی تھی۔ آواز کو نارمل کرتے ہوئے۔

''آپ کا بہت شکریہ۔ نہیں ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ میں تھوڑی دیر میں گھر سے نکلوں گی پھر دیکھوں گی۔ اچھا...'' وہ رک رک کے بولنے لگی۔ پھر ہنسی۔ تلخ سی ہنسی۔ فارس نے چونک کر گردن موڑی۔

''مجھے اسی قسم کے آرڈر کی توقع تھی مگر یہ کافی جلدی آ گیا۔ نہیں' مجھے اب اس سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ کا شکریہ۔'' موبائل رکھ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں تو فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟''

''مجھے ایڈووکیٹ جنرل نے بغیر وجہ بتائے معطل کر دیا ہے' اب میں پراسیکیوٹر نہیں رہی۔'' اتنی ہی تلخی سے بولی۔

''کیا؟'' فارس کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ''مگر اس طرح کی معطلی غیر قانونی...''

''اچھا ہی ہوا۔'' زمر نے زکام زدہ ناک سکوڑتے شانے اچکائے اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ ''یہ وہ پہلی غلطی ہے جو ہمارے دشمن نے کی۔ اس سے انہوں نے مجھے یہ بتا دیا ہے کہ وہ بارسوخ لوگ ہیں۔ یہ ان کی پہلی چال تھی۔ بساط بچھا دی گئی ہے اور کھیل شروع ہو چکا ہے۔ اب وہ دیکھیں گے کہ ان کا مقابلہ کس سے ہے۔'' تلخی سے بڑبڑاتی وہ الماری میں ہینگر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ فارس کا ذہن ایک لفظ پہ اٹک گیا۔

(ہمارے دشمن؟ کیا اس کو خود بھی احساس نہیں کہ اس نے ''میرے'' یا ''سعدی'' کے بجائے ''ہمارے'' کہا؟)

اور اس ساری پریشانی' اذیت اور صدمے کی کیفیت کے باوجود ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ رینگ گئی۔ پھر وہ سر جھٹک کر واپس مڑ گیا۔ ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔

❖❖❖

گھروں پہ نام تھے، ناموں کے ساتھ عہدے تھے ..... بہت تلاش کیا ، کوئی آدمی نہ ملا !

قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی لمبی میز ناشتے' پھلوں اور مشروبات سے سجی تھی مگر جواہرات سب چھوڑ کر' پوری طرح ہاشم کی طرف مڑی تھی۔

حق دق سی سنتی جا رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' چائے کے گھونٹ بھرتے بتا رہا تھا۔ آفس کے لیے تیار اور ہلکا میک اپ کیے تازہ دم جواہرات کے برعکس وہ قدرے سست تھا۔ سوٹ' ٹائی' سب درست تھا' بس آنکھیں ہنوز سوجی ہوئی تھیں۔

''سعدی کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے اب معلوم ہو رہا ہے۔'' بے حد حیرت اور افسوس سے وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ سامنے ہاتھ

باندھے کھڑا خاور اپنے جوتے کو دیکھتا رہا۔ ہاشم کی نظریں بھی چائے پہ جھکی تھیں۔

''اس کی فیملی تو بہت ڈسٹرب ہوگی۔'' جواہرات کہنی میز پہ جمائے' ائیرنگ پہ انگلی پھیرتی' آنکھوں میں تاسف بھرے کہہ رہی تھی۔

''آخر کون کرسکتا ہے یہ؟'' پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ ''تم نے تو...''

ہاشم نے نیپکین مٹھی میں بھینچا اور خفگی سے نظریں اٹھائیں۔ ''میں اس پہ کبھی گولی نہیں چلا سکتا' نہ یہ خاور نے کیا ہے۔ ہم اس کے واحد دشمن نہیں ہیں۔''

''اوہ۔'' اسے سکون آیا۔ پھر گلاس اٹھا کر جوس کے دو گھونٹ بھرے۔ خاور اور ہاشم نے ایک خاموش نظر کا تبادلہ کیا۔

''مگر...'' یکا یک جواہرات کا سانس اٹکا۔ چہرے پہ پریشانی آئی۔ ''وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ کوئی ہم پہ شک...''

''کسی کو نہیں پتہ کہ وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ ہم آفس کے کل کے سی سی ٹی وی ریکارڈ کو کلیئر کر دیں گے۔ زیادہ لوگوں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ اگر پتہ چل بھی جاتا ہے تو کیا ہوا؟ کوئی ہم پہ شک نہیں کرسکتا۔''

''ہوں۔'' جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہسپتال سے اگر وہ غائب ہوا ہے تو ظاہر ہے اتنی زخمی حالت میں۔ اونہوں۔ وہ تو ابھی تک زندہ بھی نہ ہو شاید۔'' پھر یکا یک ایک خیال کے تحت چونکی۔ ''ہاشم.... سعدی کا یہ حادثہ... میرا مطلب ہے' اس کے جانے کے بعد اب کوئی نہیں ہے جو جانتا ہو کہ ہم نے وہ سب کیا تھا۔''

ہاشم نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ کو اس حادثے کا ذرا بھی افسوس نہیں؟''

''اوہ نہیں' آف کورس ہے۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔'' وہ فوراً معذرتی انداز میں کہتی ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ''آفس جانے سے پہلے ان کے گھر چلیں گے۔ یہ تو ابھی اس کا دماغ الٹا تھا، ورنہ وہ بہت پیارا لڑکا تھا۔ میرا بہت اچھا دوست۔'' (ایسے ہی غارت گر والی کہانی یاد آئی جو ایک شام اسے ابتر ذہنی حالت میں سنائی تھی۔ چلو اس کہانی کا دوسرا گواہ بھی ختم ہوا۔ اور پہلی؟۔)

''میری کو بھجوا دیا تم نے؟'' سرسری سا پوچھا۔

''جی، اسے ملک بدر کر دیا ہے آج۔'' اور جواہرات کا دل مزید ہلکا ہوگیا۔ (شکر!)

''اوکے۔'' اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا' بے زاری سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''شیرو پھر ناشتے پہ نہیں آیا۔'' وہ ذرا فکرمند ہوئی۔

''وہ رات دبئی چلا گیا تھا۔ آپ جب تک پارٹی سے آئیں، میں سو چکا تھا، بتا نہیں سکا۔'' اس نے سیل فون اٹھاتے سرسری اطلاع دی۔

جواہرات نے شدید حیرانی سے چہرہ اٹھایا۔ ''مگر کیوں؟''

''دوستوں کے ساتھ پروگرام تھا۔ پریشان مت ہوں' اسے کچھ دن ریلیکس کرنے دیں۔ اور ہاں' یہ سعدی والی بات اسے مت بتائے گا ابھی۔ ڈسٹرب ہو جائے گا وہ۔ آخر... وہ دونوں... دوست تھے۔'' آخری فقرہ بدقت ادا کیا۔ پھر جواہرات سے نگاہ ملائے بغیر وہ باہر نکل گیا اور وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

''مجھے پتہ ہے وہ کیوں گیا ہے۔ کیونکہ شہرین نے آج صبح وہاں جانا تھا۔'' ناراضی سے بڑبڑاتے گلاس اٹھایا۔

''آپ مسز کاردار سے کیوں چھپا رہے ہیں؟'' خاور نے اس کے پیچھے سے آکر پوچھا تھا۔

''معاملہ ٹھنڈا ہونے دو' پھر بتا دوں گا۔ ابھی کوئی لاپرواہی ہم افورڈ نہیں کرسکتے۔'' دبی آواز میں کہتا وہ اس کے ساتھ باہر برآمد تک آیا تھا۔ سیڑھیوں کے سرے پہ دونوں رکے۔ ہاشم نے چہرہ گھما کر نیچے پھیلے سبزہ زار کو دیکھا۔

''تم نے اس ممکنہ گواہ کو چیک کیا؟'' یہ پریشانی ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھی۔

''جی' مگر ایسا کوئی گواہ پولیس کے پاس پیش نہیں ہوا' نہ ہی سعدی کے گھر والوں سے کسی نے رابطہ کیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ صرف نوشیرواں صاحب کی ڈرگز کے باعث hallucination ہو سکتی ہے۔''

''مگر میں اس امکان کو رد نہیں کر سکتا۔'' ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ ''تم معلوم کرنے کی کوشش کرو۔'' اور زینے اترنے لگا۔ خاور سر ہلا کر رہ گیا۔ ایک طویل اور اندھیر رات بالآخر ختم ہوئی تھی۔

حسب معمول ہاشم کاردار نے سب سنبھال لیا تھا۔

.....❖❖❖.....

وہ دیکھنے آیا تھا کہ کس حال میں ہیں ہم!

چھوٹا باغیچہ ہنوز جھلس رہا تھا۔ اندر لاؤنج میں حنین خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے صوفے پہ ہاشم اور جواہرات ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ابا اپنی وہیل چیئر پہ نڈھال سے لگ رہے تھے' اور ان کے ساتھ کھڑی زمران کو دوا دے رہی تھی۔ ہاشم بار بار نگاہ اٹھا کر اس کو غور سے دیکھتا تھا۔ پژمردہ' اداس حنین کے برعکس وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔

اس کے آنے کے بعد ہی وہ اور فارس یکے بعد دیگرے آئے تھے۔ (فارس پھر چلا گیا تھا۔) وہ بدلے ہوئے لباس میں تھی۔ سامنے کے بال پیچھے کر کے پن لگائے، باقی کھلے چھوڑے' ٹاپس پہنے' ہر روز کی طرح تیار لگ رہی تھی۔ یہ نارمل نہیں تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں زمر؟'' ہاشم نے فکرمندی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ ابا کو پانی کا گلاس پکڑاتے چونکی۔ چہرہ گھما کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکے سے شانے اچکائے۔

''جی۔ شکریہ۔ ابا آپ کھانا کھا لیجئے گا' مجھے دیر ہو جائے گی۔'' ابا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم کہاں جا رہی ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''سعدی کو ڈھونڈنے۔''

ہاشم کی گردن کے گرد پھندا سا لگنے لگا۔ فوراً سے حنین کی طرف متوجہ ہوا۔

''اب تمہاری امی کیسی ہیں؟''

''دوا دے کر سلایا ہے۔ بہت اَپ سیٹ ہیں۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ شاکی نظر زمر پہ ڈالی (ان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایک آنسو جو بہایا ہو!)

زمر ابا کو دوسرے کمرے میں لے گئی، جب واپس آئی تو وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ لوگوں نے مجھے کیوں فون نہیں کیا؟ میں ہوتا تو دیکھتا کس طرح کوئی اسے لے کر جاتا ہے۔'' وہ خفا ہوا تھا۔ جواہرات نے تاسف سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اسے پتہ تھا وہ سعدی کے لیے کیا جذبات رکھتا تھا۔

''ہاشم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ سعدی اس کا دوست تھا' آپ کو ہاشم کو بلانا چاہیے تھا۔''

''ہاشم کو بلانے'' سے زمر اور حنین دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کچھ یاد آیا۔

''ہاشم' کیا آپ نے سعدی کو بتائی تھی ایگزام والی بات؟'' زمر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے پوچھا تو ہاشم نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ وہ بھی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کون سی بات؟''

''جب ایگزام میں حنہ نے....''

''او کے میم پراسیکیوٹر۔'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔''میں اس بارے میں بات نہیں کر سکتا۔ اٹارنی کلائنٹ پریولیج کے تحت یہ میرے اور حنین کے درمیان ہے۔ اگر آپ کو کچھ جاننا ہے تو حنین سے پوچھ لیں۔''

''میں سب جانتی ہوں۔ صرف سعدی کو بتانے کے متعلق پوچھا ہے۔''

''میں ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتا۔'' وہ اتنے اعتماد سے بولا تھا کہ حنہ کی آنکھیں مزید بھیگیں۔ اس نے زمر پہ ''دیکھا؟'' والی جتاتی نظر ڈالی۔ جواہرات بھی اسی اعتماد سے گردن اکڑائے بیٹھی رہی۔ زمر البتہ مشکوک نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

''ہوا کیا تھا؟''

''بھائی کو کل کسی نے بتایا تھا۔ یہ نہیں پتہ کہ کس نے....''

''کیا تم نے اپنی کلاس فیلوز سے پوچھا؟ مجھے وہاں بہت سے لوگوں نے آتے دیکھا تھا۔''

''اوہ ہاں۔'' حنین کو یاد آیا۔''ناعمہ کا بھائی' سعدی بھائی کا دوست ہے۔ شاید اسی نے بتایا ہو۔''

''اور تم نے سب سے پہلا شک مجھ پہ کیا؟'' ہاشم مسکرایا۔ حنین کو ڈھیر ساری شرمندگی نے آن گھیرا۔

''آہم۔ یہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔'' جواہرات نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

ہاشم نے ''ایک غیر اہم سی بات تھی۔ جانے دیجئے۔'' کہہ کر موضوع بدل دیا۔

زمر باہر نکلی تو باغیچے کے گیٹ ساتھ اسامہ کھڑا' اداسی سے دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ صبح اب دوپہر میں تبدیل ہو رہی تھی۔

''مجھے ''اس'' جگہ جانا ہے۔ کیا تم مجھے پتہ سمجھا دو گے، سیم؟'' وہ اس کے قریب آ کر بولی تو وہ چونکا' پھر فوراً سر ہلایا۔

''آپ اکیلی مت جائیں۔ میں ساتھ آؤں گا۔'' اس کے کندھے کے برابر آتا سیم ایک دم سنجیدگی سے بولا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی' پھر اس کی کہنی تھام لی اور وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''ماموں بھی ادھر گئے ہیں۔'' جگہ کا نام لئے بغیر اس نے بتایا تو وہ ہلکا سا چونکی تھی۔

جیسے ہی وہ زیرِ تعمیر گھر قریب آیا' زمر کے قدم بھاری ہوتے گئے۔ چہرے کی رنگت زرد پڑتی گئی۔ آنکھوں میں نمی ابھری جس کو اس نے اندر اتار لیا۔ (اللہ مجھے صبر دینا! کچھ دیر کے لیے ہی سہی!)

گیٹ کے سامنے جب وہ رکی تو آنکھوں میں کرب کی جگہ افسوس نے لے لی۔ اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔

''پولیس نے اتنی جلدی کرائم سین دھو دیا؟''...غصہ بھی اس نے اندر دبا لیا۔ وہاں چند لوگ اور پولیس اہلکار دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے پورچ میں قدم رکھا تو سیم کی کہنی زیادہ سختی سے بھینچ لی۔ سامنے فرش پہ چاک زدہ خاکہ بنا تھا (جدھر سعدی گرا ملا تھا)۔ اپنی گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں تو گھر کے اندرونی حصہ میں وہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کی زمر کی جانب پشت تھی اور وہ اینٹوں کی برہنہ سیڑھیوں کے پاس آدھا جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔ فارس سے فاصلہ رکھے' رخ پھیر کر کھڑی' اردگرد نگاہیں دوڑانے لگی۔

''ادھر کیا ہے ماموں؟'' سیم اس کی طرف گیا تو وہ چونک کر پلٹا' تو دیکھا وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ فارس نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی' پھر سیم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''یہاں دو گولیوں کے نشان ہیں۔ اور ایک گولی اس دیوار میں بھی لگی ہے۔'' وہ اتنی آواز میں بولا کہ زمر سن لے اور وہ سن کر چونک کر مڑی تھی۔

''مگر.... یہاں گولیاں کیوں ہیں؟'' سیم نے ناسمجھی سے دونوں کو دیکھا۔

''اس کے اینگل سے لگتا ہے کہ یہ....'' کہتے ہوئے اس نے گردن موڑی' وہ اب ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملیں تو وہ سیڑھیوں

میں لگے سوراخوں کو دیکھنے لگی۔ ''...یہ پورچ سے ہی چلائی گئی ہے۔ظاہر ہے اسی شوٹر نے چلائی ہے۔''

''مگر....ادھر کیوں وہ گولی چلائے گا؟ سعدی بھائی تو بالکل دوسری طرف تھے۔''

''شاید اس کا نشانہ برا تھا۔'' فارس نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''یا شاید یہاں کوئی اور بھی تھا۔'' وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی اور بھی تھا؟'' وہ چونکا۔زمر نے جواب نہیں دیا' بس گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔سیم نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''پھپھو۔آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے ابھی معلوم کیا تھا کہ پولیس کو کس نے کال کی کیونکہ سعدی کو بروقت ہسپتال پہنچایا گیا تھا' تو....'' وہ سیم کو بتانے لگی۔آواز بلند رکھی۔فارس اسے غور سے دیکھتے ہوئے سننے لگا۔''تو معلوم ہوا کہ ہمسائے میں سے کسی نے کال کی تھی اور پتہ سمجھایا تھا' مگر جب پولیس آئی تو یہاں زخمی سعدی کے سوا کوئی نہ تھا۔اور ہمسائے میں..'' زمر نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔''...سارے گھر تو ابھی زیرِ تعمیر ہیں۔''

''یعنی کہ وہ شخص جس نے پولیس کو کال کی' اس واقعے کے وقت یہیں تھا؟''

زمر نے نگاہیں پھیر کر فارس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تھی۔کال کرنے والی کوئی لڑکی تھی۔'' اور وہ مڑ گئی۔اسے جاتے دیکھ کر سیم پیچھے لپکا۔

''پھپھو...کیا ہمیں یہاں اور نہیں کچھ تلاشنا چاہیے؟ مثلاً کوئی نشانی' کوئی ثبوت' کوئی فنگر پرنٹ...''

''سب دھل کر تباہ ہو چکا ہے سیم۔ہمیں اس کو وہیں ڈھونڈنا ہے جہاں وہ کھویا تھا۔'' وہ جیسے صرف یہ جگہ دیکھنے آئی تھی۔کسی اور چیز کی امید نہ تھی۔

سیم اور وہ ساتھ ساتھ چلتے واپس آئے تھے۔فارس چند قدم پیچھے تھا۔سیم اندر چلا گیا اور وہ ابھی باغیچے کے دہانے پہ تھی جب اس نے عقب سے پکارا۔

''میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ان کی انتظامیہ نے.....'' زمر بات مکمل ہونے سے پہلے ایڑھیوں پہ گھومی۔

''ان کی انتظامیہ نے پولیس کو نامکمل سی سی ٹی وی فوٹیجز دی ہیں' میں جانتی ہوں' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ مکمل فوٹیجز کیسے نکلوانی ہیں اور وہ میں نکلوالوں گی۔آپ اپنے کام سے کام رکھئے' میرے راستے میں مت آیئے۔'' سرد' سپاٹ سا کہتی وہ واپس مڑ گئی تو فارس نے ایک تاسف آمیز سانس لے کر سر جھٹکا' اور گھر کی طرف بڑھ گیا۔فارس جیسے ہی اندر گیا' ہاشم باہر آتا دکھائی دیا۔

''مجھے بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی باغیچے کے جھلسے پھول دیکھ رہی تھی' جب وہ عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کا شکریہ' ضرورت پڑی تو بتا دوں گی۔'' ہاشم نے بس سر کو خم دیا۔چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔

''یہ کون کر سکتا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم' مگر ہو جائے گا۔'' ہاشم نے تھوک نگلا۔

''جس وقت سعدی کو گولی لگی' اس وقت....'' مڑ کر گھر کو دیکھا جہاں ابھی وہ اندر گیا تھا۔''....فارس کہاں تھا؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گھر کو۔''کیا مطلب؟''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ آپ کے خاندان میں ایک بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی جس کے باعث وہ جیل گیا تھا' اور پھر جب وہ جیل

سے نکلتا ہے تو ایک اور ٹریجڈی ہو جاتی ہے؟'' سرسری انداز میں کہتے وہ زمر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

زمر پلک بھی نہ جھپک سکی۔ ''وہ اس کا بھانجا ہے' ہاشم!''

''جیسے وارث اس کا بھائی تھا اور زرتاشہ اس کی بیوی تھی؟''

زمر نے آنکھیں سکیڑ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''فارس کا سعدی والے واقعے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے' وہ اس وقت کہیں اور تھا۔''

''اوہ کم آن زمر!'' ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ چہرے کے آگے جھلایا۔ ''اس کے پاس ہمیشہ alibi ہوتا ہے' آپ اس پہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی کیسے اعتبار کر سکتی ہیں؟ وہ فارس ہے' اس سے کچھ بھی بعید ہے۔ ہم سب جانتے ہیں، آپ نے اس سے کیوں شادی کی۔ اور میرے نزدیک تو اس کے جرائم میں آج ایک جرم کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اب وہ وقت ہے جب آپ کو فارس کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے۔''

زمر نے لب بھینچ لیے اور تیز نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''آپ پوچھیں گے نہیں کہ اس کا alibi کون ہے؟''

''اس دفعہ کون ہے؟'' اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔

''میں! وہ اس وقت میرے ساتھ تھا۔''

لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا' پھر وضاحتی انداز میں گویا ہوا۔ ''میں فارس پہ اعتبار نہیں کر سکتا' میں اَپ سیٹ ہوں' سعدی میرا دوست تھا' اور....''

''او کے ہاشم' ایک بات۔'' وہ ایک ہاتھ اونچا کر کے اسے درمیان سے ٹوکتی' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سرد مہری سے بولی۔ ''آپ فارس کو ناپسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ آپ سعدی کو پسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے میری یہ بات پہلی اور آخری دفعہ دھیان سے سنیئے۔ فارس..نے...یہ...نہیں کیا۔ اپنے پچھلے اعمال کا وہ حساب دے گا' مگر آپ...آپ نے اگر اپنے خاندانی تنازعات کے بدلے کے طور پہ فارس کے خلاف میرے بھتیجے کی ٹریجڈی کو استعمال کرنا چاہا' تو آپ مجھے اپنا دشمن بنا لیں گے۔ دوست ہم پہلے بھی نہیں تھے۔''

ہاشم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''یہ موضوع ختم ہوا۔'' وہ ایک سلگتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ ابھی دروازے کے قریب آئی تھی کہ وہ کھلا اور فارس باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر رکا' اور ہٹ کر راستہ دیا۔ زمر آگے نہیں بڑھی' وہیں کھڑے فارس کو دیکھا' اور کافی صاف آواز میں بولی۔

''میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میری کار میں کچھ مسئلہ ہے۔'' کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ باغیچے میں کھڑا ہاشم ہلکا سا چونکا تھا۔

''او کے' میں انتظار کر رہا ہوں۔'' فارس ایک سنجیدہ مگر حیران نظر اس پہ ڈال کر آگے چلا آیا۔

زمر اندر آئی' کمرے سے اپنی ایک دو چیزیں اٹھائیں تو لاؤنج میں بیٹھی جواہرات کی آواز سماعت میں پڑی۔

''اب تم لوگوں کو اس جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ یہ علاقہ محفوظ نہیں ہے۔'' وہ حنین سے کہہ رہی تھی۔ زمر ٹھہر کر کچھ سوچنے لگی' پھر سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔

پرس کہنی پہ لٹکائے اس نے باہر قدم رکھا تو دیکھا فارس گاڑی کی طرف جاتے ہوئے رک کر ہاشم سے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں کا انداز عام اور سرسری تھا۔ زمر خاموش نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے کار کی طرف چلی آئی۔

.....❖❖❖.....

نئی منزل کی راہ ڈھونڈو تم! ..... میرے غم سے پناہ ڈھونڈو تم!

چند منٹ بعد' جب کار سڑک پہ رواں تھی' تو فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی زمر نے' موبائل پہ چلتا ہاتھ روک کر' سرسری سا پوچھا۔

''ہاشم تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چونکا' رخ ذرا پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے' موبائل پہ لگی تھی۔

''پولیس کی کارروائی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''

''کیا تم نے اسے کسی ممکنہ گواہ کا بتایا؟''

''نہیں تو۔''

''اس کو کچھ مت بتانا۔''

''کیوں؟'' فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ زمر نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں وہی ازلی سرد مہری تھی۔

''یہ مت سمجھنا کہ تمہیں فیور دے رہی ہوں' میں صرف یہ نہیں چاہتی کہ سعدی کے کیس کی تفتیش پہ ہاشم اثر انداز ہو۔'' کہتے ہوئے وہ پھر موڑ کر کھڑکی کے باہر گزرتا ٹریفک دیکھنے لگی۔ ''ہاشم نے مجھے کہا ہے کہ یہ واقعہ میں تمہارے اوپر ڈال دوں۔''

اسٹیئرنگ وہیل پہ اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی' بے یقینی سے اس نے زمر کو دیکھا۔

''یہ کہا اس نے؟'' اس کے کان سرخ ہوئے' آنکھوں میں طیش ابھرا۔ پھر لب بھینچ لیے اور غصے سے ایکسلیٹر پہ پاؤں کا زور بڑھا دیا۔ اندر ہی اندر لاوا سا ابلنے لگا تھا۔

''مجھے پتہ ہے اس میں تمہارا ہاتھ نہیں ہے' لیکن اپنے پچھلے اعمال کا تم حساب دو گے۔ ایک دفعہ یہ معاملہ ختم ہو جانے دو۔'' باہر دیکھتی وہ تلخی سے کہہ رہی تھی جب اس نے زور سے بریک پہ پیر رکھا' کار جھٹکے سے رکی' وہ بے اختیار ڈیش بورڈ پہ جھکتی گئی مگر خود کو سنبھال لیا۔ غصے سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اس سے زیادہ اشتعال سے اسے گھور رہا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔ بہت سن لی میں نے آپ کی بکواس۔'' وہ غصے سے غرایا تھا۔ زمر ذرا پیچھے ہوئی۔

''ہاشم کو دیکھ لوں گا میں' مگر اب آپ کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔ اس لئے آئندہ میرے آگے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت دیکھ لیا میں نے اپنے گھر والوں کو قتل ہوتے اور خود پہ الزام لگتے۔ آج کے بعد کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ سمجھیں آپ؟'' آنکھوں میں تپش لئے اس کو دیکھ کر کہتے وہ کار سے نکلا اور دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔

وہ تنفر اور بے بسی سے اسے گھورتی وہیں بیٹھی رہی۔ کار ہسپتال کے سامنے رکی کھڑی تھی اور وہ چابیاں جیب میں ڈالتا اب اس طرف جا رہا تھا۔

چند منٹ بعد وہ ہسپتال میں ایک کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ بیگ کہنی پہ ٹکائے' سن گلاسز گھنگریالے بالوں پہ اوپر چڑھائے' وہ آج سیاہ پاجامے پہ ہلکی سبز لمبی قمیض پہنے ہوئے تھی' اور سبز دوپٹہ دائیں کندھے پہ تھا۔ سکون سے کھڑی وہ فارس اور سیکیورٹی آفیسر کو بحث کرتے دیکھ رہی تھی۔ سیکیورٹی ٹیم کے دو افراد دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

''سر' میں آپ کو بتا چکا ہوں، ہم نے پولیس کے حوالے سب کچھ کر دیا ہے' اگر آپ کو مزید کوئی فوٹیج نکلوانی ہے تو کورٹ آرڈر لانا ہو گا۔ ورنہ میں آپ کو اس کمرے میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔

''اور آپ کا قانون اس وقت کہاں تھا جب میرے بھانجے کو ہسپتال سے اغوا کیا گیا؟ ہاں؟'' غصے سے بولتے اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ زمر گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

''سر مجھے مجبوراً سیکیورٹی سے آپ کو باہر نکالنے کو کہنا پڑے گا'' سرد لہجے میں کہتے آفیسر ساتھ میں اسے تیز نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔ پیچھے کھڑے دونوں اہلکار آگے ہوئے۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔

''اے.... ہاتھ نہیں لگانا۔'' اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر ان کو روکا۔

''السلام وعلیکم۔'' وہ نرم سا مسکراتی' کھنکھاری۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ مگر وہ سیکیورٹی آفیسر کو دیکھ رہی تھی۔

''میں زمر یوسف ہوں' ڈسٹرکٹ...''

''میم مجھے پتہ ہے آپ کون ہیں' اور نہیں' ہم آپ کو کوئی ٹیپ نہیں دے سکتے۔ اگر آپ کو ٹیپ چاہیے' تو وارنٹ لے کر آئیں۔'' اس نے سختی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ وہ اسی طرح مسکراتی رہی۔

''او کے۔ کل عدالت کھلے گی تو میں وارنٹ لے آؤں گی' مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کس فوٹیج کا وارنٹ لاؤں گی؟''

''میم' میں آپ کو بہت تحمل سے...''

''کل جب میں کورٹ جاؤں گی' تو جانتے ہیں کن کے وارنٹ نکلیں گے۔ 16 مارچ کا جب ایک ممبر قومی اسمبلی کی نوکرانی کا ایکل ابارشن آپ کے ہاسپٹل میں ہوا تھا' ستائیس جنوری کا جب آپ کے وارڈ سے دو نومولود بچے غائب ہوئے تھے' اور آپ کی فارمیسی کے ریکارڈ کا سرچ وارنٹ بھی جہاں پچھلے تین مہینے میں آپ کے ایک خود ساختہ ملٹی وٹامن نے آدھ درجن عورتوں کے مبینہ طور پہ مس کیرج کروائے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے' وہ ملٹی وٹامن ابھی مکمل طور پہ اپروو نہیں ہوا۔ سو پتہ ہے کیا آفیسر' یہ ایک اچھا اور بڑا ہسپتال ہے' مگر یہ ایک پرائیوٹ ہسپتال ہے' اور سرکار ایک نجی ہسپتال کے ساتھ کیا کر سکتی ہے' یہ ہم دونوں جانتے ہیں' سو اب آپ مجھ سے پوچھیں کہ مجھے کیا چاہیے!'' ایک سانس میں تیز تیز بولنے کے بعد وہ رکی اور مسکرا کر باری باری ان تینوں کے چہروں کو دیکھا۔

آفیسر ان چار جج غصے بھری بے بسی سے اسے گھورتا رہا ''میم!.....''

''مجھ سے پوچھئے آفیسر کہ..... مجھے..... کیا..... چاہیے!''

اس نے ضبط سے گہری سانس لی۔ ''آپ کو..... کیا چاہیے؟''

''جب آپ سامنے سے ہٹ کر مجھے کنٹرول روم میں جانے کا راستہ دیں گے' تب ہی میں بتا سکوں گی۔''

آفیسر چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر دوسروں کو اشارہ کرتا ایک طرف ہٹا اور دروازہ کھول دیا۔ زمر نے ایک چبھتی ہوئی (مگر فاتحانہ) نظر فارس پہ ڈالی۔ جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اور آگے بڑھ گئی۔ پھر بظاہر انہی سخت تاثرات کو چہرے پہ طاری کیے' وہ اس کے عقب میں اندر داخل ہوا۔

چند منٹ بعد ایک کمپیوٹر اسکرین کے سامنے کرسی پہ موجود سی آر انچارج فولڈرز کھول کھول کر ان کو مطلوبہ فوٹیجز دکھا رہا تھا۔ زمر اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی' ذرا جھک کر دیکھ رہی تھی' اور فارس اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا تھا۔

''دو لوگ تھے۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی جہاں کاریڈور میں دو ماسک والے وارڈ بوائز اسٹریچر لاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اسٹریچر پہ لیٹے لڑکے کے اوپر چادر ڈلی تھی' مگر سر سے ذرا سے گھنگریالے بال نظر آتے تھے۔ زمر کے حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنسنے لگا مگر اس نے پلکوں کو جھپک کر نمی اندر دبالی۔

''یہ فوٹیج پولیس کے پاس بھی ہے۔ یہ نہیں چاہیے۔'' فارس نے بے زاری سے آپریٹر کو دیکھا تھا۔ ''لفٹ کی فوٹیج کہاں ہے؟''

آپریٹر نے سر ہلا کر ایک اور فولڈر کھولا۔ تھیٹر میں اسٹریچر لانے سے قبل وہ دونوں لفٹ سے اترے تھے۔ یہ اس سے پہلے کی ٹیپ تھی۔ لفٹ میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ ان کے سروں پہ سبز ٹوپیاں اور چہرے پہ سبز ماسک تھے۔ دفعتاً ایک وارڈ بوائے جس کا رخ کیمرے

کے عین سامنے تھا' اس نے چھینکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چھینک مار کر ماسک ہٹایا' رومال سے منہ صاف کیا اور ماسک درست کرلیا۔

''پیچھے کرو۔'' آپریٹر نے پیچھے کر کے روکا' اور تصویر کو بڑا کیا۔ وارڈ بوائے کا چہرہ کافی واضح تھا۔ وہ ایک پکی عمر کا مرد تھا اور اس کی گھنی مونچھیں تھیں۔

''کیا آپ نے پولیس کو یہ دکھایا؟'' اس نے باری باری آپریٹر اور سیکیورٹی آفیسر کو گھورا۔ آفیسر جو سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تھا' ذرا بے زار ہوا۔

''نہیں' کیونکہ انہوں نے یہ فوٹیج نہیں مانگی تھی۔''

فارس نے جیب سے ایک فلیش نکالی اور سسٹم میں داخل کی، سیکیورٹی آفیسر فوراً آگے بڑھا۔ ''نہیں' آپ میرا ڈیٹا کاپی نہیں کر سکتے۔''

''میں تمہارے سامنے کل کی تمام فوٹیجز کاپی کرنے لگا ہوں اور تم مجھے خاموشی سے یہ کام کرتے دیکھو گے۔'' پھر آپریٹر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''جو فولڈرز میں کہہ رہا ہوں' وہ کاپی کرتے جاؤ۔ شاباش!'' آپریٹر نے بے بسی اسے انچارج کو دیکھا جو محض خون کے گھونٹ پی کر لڑ رہا' دوبارہ کچھ نہیں بولا۔

''یہ بھی کرو.... اور یہ بھی... مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''مگر سر یہ دوسرے فولڈر کی ویڈیو....''

''میرا دماغ پہلے بہت گھوما ہوا ہے' مجھے مزید خراب مت کرو۔'' وہ جس طرح اس لڑکے کو گھور کر بولا تھا زمر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور وہاں سے ہٹ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ وہ کرسی کے ساتھ جھکا' انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کرتے آپریٹر کو ہدایات دے رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

ابھی سے برف الجھنے لگی ہے بالوں سے ..... ابھی تو قرض ماہ و سال بھی اتارا نہیں!

اس اپارٹمنٹ کی دیواریں خوبصورت سجاوٹ سے ڈھکی تھیں اور فرش شیشے سے چمکدار تھے۔ لونگ روم میں ٹی وی بلند آواز سے چل رہا تھا اور بڑے صوفے پہ نیم دراز نوشیرواں' پاؤں میز پہ رکھے' ناپسندیدگی سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ رف ٹی شرٹ اور کھلے ٹراؤزر میں ملبوس' اس کا منہ بھی دھلا ہوا نہیں لگتا تھا۔ پھر اسی بے زاری سے اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر کان سے لگایا۔

''ہاں شیرو' تم ٹھیک ہو؟'' ہاشم مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

''خاک ٹھیک ہوں؟ قید پڑا ہوں ادھر۔''

''میں نے کہا تھا' گھر میں بند مت رہو۔ دبئی میں اپنے ایک ایک دوست سے ملو' تاکہ سب کو معلوم ہو کہ تم ادھر ہو اور ادھر ہی تھے۔ وہ بھی پوچھے تو کہنا کہ میں اتوار کی رات آیا ہوں۔ سمجھے؟''

''آپ تو ایسے برتاؤ کر رہے ہیں جیسے واقعی مجھے کبھی گرینڈ جیوری کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ خدا کے لئے بھائی....''

''شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں بچا لیا ہے اور سب سنبھال لیا ہے' لیکن اگر اب تم نے میری بات نہ مانی نا شیرو' تو میں اگلی دفعہ تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ اب میرا دماغ مت خراب کرو' اور دوستوں کو جا کر ملو۔'' تلخی سے کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔ نوشیرواں غصے سے موبائل کو گھور کر رہ گیا۔

پھر اٹھا اور اوپن کچن کی طرف آیا۔ فریج کا دروازہ کھولا' جوس کا ڈبہ نکالا اور اوپر لگے اسٹینڈ میں لٹکا اسٹیل کا گلاس اتار کر کاؤنٹر پہ رکھا۔ پھر انگور کا مشروب اس میں انڈیلا۔ سرخ مائع گلاس میں بھرنے لگا۔ گلاس اٹھا کر وہ ہونٹوں کے قریب لے کر گیا تو.... مشروب کے سرخ رنگ میں وہی منظر ابھرنے لگا....

بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے قریب گرا لڑکا' اس کی اکھڑتی سانسیں۔ کھلتی، بند ہوتی آنکھیں اور.... خون کا تالاب... سرخ تازہ سرخ پانی جو بہتا جا رہا تھا۔۔۔

ایک دم اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ بے زاری سے اس نے سرخ مشروب سنک میں انڈیل دیا۔ چہرے پہ شدید جھنجلاہٹ در آئی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے۔'' اکتا کر وہ چلا آیا اور پھر سے صوفے پہ گرا موبائل اٹھا۔ کچھ دیر منہ بگاڑے دیکھتا رہا' پھر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ تاثرات بدلے۔ فوراً سے نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔

''ہیلو.... شیری.... کیسی ہیں آپ؟ میں نے ابھی آپ کی اپ ڈیٹ دیکھی۔ آپ دبئی میں ہیں؟ جی میں بھی ادھر ہی ہوں... آج صبح ہی پہنچا ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' آنکھوں میں امید جاگی اور چہرے پہ جوش سا ابھرا۔

''او کے۔ میں آجاؤں گا۔'' بالآخر وہ مسکرایا اور موبائل کان سے ہٹایا۔ سرخ دل نے سرخ پانی کو ذہن سے محو کر دیا۔

❖❖❖

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے ..... میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

چھوٹے باغیچے کے سامنے کار روکتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''وہ فونیج اے ایس پی کے حوالے کر دی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اس آدمی کو پہچانتا ہے' جلد اسے گرفتار کر لے گا۔'' زمر نے کوئی تاثر دیے بغیر پرس اٹھایا اور لاک کھولا۔ فارس نے نظریں پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ گھنگریالے بال کان کے پیچھے اڑستی اپنی طرف کا دروازہ کھول رہی تھی۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ ان لوگوں کو ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ اب وہ ہماری طرف رہیں گے' اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ابھی بتا دیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

''اگر ابا کو تم ہمارے ساتھ رہنے کے لئے راضی کر لو' تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' بظاہر اس نے سپاٹ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئی مگر چہرے پہ واضح اطمینان اتر آیا تھا گویا کوئی ان کہی خواہش پوری ہوئی ہو۔

وہ برآمدے کے اندر راہداری میں آئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔

''فارس صحیح کہہ رہا تھا کہ ہم اب اس کے ساتھ جا کر رہیں۔'' ندرت تھکی تھکی سی کہہ رہی تھیں۔ زمر کے قدم راہداری میں سست ہو گئے کیونکہ حنین آگے سے بہت خفگی سے بولی تھی۔

''ہمارا بھائی کھو گیا ہے تو ہم اتنے بے آسرا ہو گئے ہیں کہ گھر بدر ہو جائیں؟'' شاید وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''تمہیں' اسامہ اور تمہاری امی کو ان کے ساتھ جا کر رہنا چاہیے۔ یہاں اکیلے نہیں رہ سکتے تم لوگ۔'' ابا کی آواز میں بھی تکان تھی۔ صبح سے سعدی کو در در کراب سب نڈھال بیٹھے تھے۔

''ماموں پہ بوجھ کیوں بنیں؟ آپ اپنے کرائے داروں کو فارغ کر دیں' ہم وہاں چلے جاتے ہیں۔''

''کون سے کرایے دار؟''

''وہ جو آپ کے پلاٹ پہ گھر بنا تھا' اور اس میں نئے کرایے دار آئے تھے۔'' وہ ان کو یاد کروا رہی تھی۔ زمر نے دیوار سے لگے آنکھیں بند کر لیں۔

''گھر؟'' ابا حیران ہوئے۔ ''تمہیں کس نے کہا؟''

''میری فرینڈ کا گھر بھی ہے اسی کالونی میں۔ اس کی طرف گئی تو دیکھا تھا۔''

''وہ پلاٹ تو زمر نے کب کا بیچ دیا۔ حنین۔'' ندرت نے بتایا۔

چند لمحے کے لئے لاؤنج سے کوئی آواز نہ آئی۔ راہداری میں کھڑی زمر نے آنکھیں کھولیں۔

''بیچ دیا؟'' حنین شاکڈ تھی۔ ''مگر کیوں؟''

''اس کو شاید کسی مقدمے کے لئے رقم چاہیے تھی۔'' ندرت نے بے پروائی سے بتایا، گویا یہ ذکر غیر اہم تھا۔ ابا خاموش رہے۔

''مقدمے کے لئے؟ اف۔ بڑے ابا۔ آپ نے ان کو یوں کرنے کیسے دیا؟ وہ آپ کے لئے ایک سیکیورٹی تھی۔ ایک سہارا تھا۔''

''وہ زمر کا تھا۔''

''ہونہہ۔'' حنین کی تلخی سے بھری آواز آئی تھی۔ ''اور زمر صرف اپنا سوچتی ہیں۔'' اور پھر غصے سے بولتی اٹھ کر آئی تو وہ راہداری میں کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک دم ٹھہر گئی۔ نظریں اس کے عقب میں گئیں تو زمر نے بھی چونک کر گردن موڑی، فارس بھی پیچھے کھڑا تھا' مگر زمر کے چہرے کے برعکس اس کی آنکھوں میں حنین کے لئے ناراضی تھی۔

''بھائی کا کچھ پتہ چلا؟'' اس نے بے تابی سے فارس کو مخاطب کیا۔ مگر اس کے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

بڑے ابا اور ندرت' دونوں نے بے قراری سے ان کو دیکھا' مگر... چہروں پہ لکھی تحریر پڑھ لی اور نگاہیں مایوس پلٹ آئیں۔ وہ سامنے صوفے پہ جا کر بیٹھا۔ زمر چوکھٹ میں کھڑی رہی۔

''میں جاتے وقت آپا کو بتا کر گیا تھا' کہ اب آپ لوگ ہمارے ساتھ چل کر رہیں گے۔'' اس نے بات کا آغاز ابا کو دیکھتے ہوئے کیا۔ انہوں نے اوہوں نفی میں گردن ہلائی۔

''میں اسی گھر میں ٹھیک ہوں' صداقت ہے میرے پاس۔ ہاں تم باقی سب کو لے جاؤ۔'' ایک ہی دن میں وہ کمزور نظر آنے لگے تھے۔

''ابا وہ گھر آپ نے مہینے کے آخر میں ویسے بھی خالی کرنا تھا' اور یہ جگہ اب رہنے کے قابل نہیں۔ اس لئے پلیز ضد مت کیجئے اور ہمارے ساتھ چلیں۔''

''زمر ٹھیک کہہ رہی ہیں' اب آپ کا کہیں اور رہنا صحیح نہیں ہے۔'' وہ ابا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ابا مسلسل انکاری تھے اور ندرت متامل تھیں۔

''فارس' ہم اتنے سارے لوگ کیسے رہیں گے ادھر؟''

''اتنا چھوٹا نہیں ہے وہ گھر۔ تین بیڈ روم ہیں۔ نیچے والا' یوسف صاحب اور سیم لے لیں گے' صداقت پورچ کے ساتھ سرونٹ روم میں رہ لے گا' اور اوپر...'' وہ رکا' ایک نظر زمر کو دیکھا' وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ''اوپر میرا اور زرتاشہ والا پرانا کمرہ آپ کے اور حنین کے لئے کافی ہے۔ باقی... ہمارا تو ویسے بھی اماں والا کمرہ ہے۔'' اب کے اس نے زمر کو دیکھے بنا سنجیدگی سے بات مکمل کی۔ دروازے پہ رکھے اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوئی تھی' ابرو تن گئے' ایک خاموش تیز نظر اس پہ ڈالی مگر جب بولی تو آواز ہموار تھی۔

''سب آرام سے آ جائیں گے۔ آپ بس چلنے کی تیاری کریں۔'' اور مڑتے ہوئے کانوں میں ندرت کی آواز پڑی۔

''میرا بیٹا ہوتا تو ہمیں کبھی یوں نہ جانے دیتا...''

بڑے ابا مسلسل انکار کر رہے تھے اور فارس کچھ کہہ رہا تھا مگر زمر سنے بغیر آگے چلتی آئی۔ سعدی کا کمرہ خالی پڑا تھا۔ وہ دیوار سے لگے اس کے بیڈ پہ بیٹھی' جوتے اتار کر پیر اوپر کر لئے اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ آنکھوں میں پانی سا ابھر رہا تھا' جس کو اندر اتارے بنا' دیوار سے سر ٹکائے' بس چپ چاپ سامنے دیکھے گئی۔ دل خالی تھا' ہاتھ خالی تھے' دنیا خالی تھی۔

اسی دیوار کے دوسری طرف حنین کے کمرے میں بھی ایسے ہی بیڈ لگا تھا' اور وہ بھی اسی دیوار سے لگی' اکڑوں بیٹھے' سر گھٹنوں پہ رکھے رو رہی تھی۔ دل خالی تھا' ہاتھ خالی تھے' دنیا خالی تھی۔

دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔

ہمارا سعدی کہاں ہوگا اس وقت؟

❖❖❖

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں ..... عجب رسم چلی ہے، دعا نہ مانگے کوئی

اس نے بدقت آنکھیں کھولیں تو دھندلی سی چھت نظر آئی۔ پلکیں آہستہ سے جھپکیں تو منظر قدرے صاف ہوا۔ سعدی کے چہرے پہ تکلیف ابھری، حسیات جاگنے کے ساتھ درد شدت سے لوٹ آیا تھا۔ وہ ہلکا سا کراہا۔ پھر گردن موڑی۔

وہ ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹا تھا' اور اس کے اردگرد ایک کشادہ اور چمکتا ہوا کمرہ تھا۔ اس نے کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کی' مگر جسم جیسے جام ہو چکا تھا۔

''آہ۔'' اذیت کے احساس سے آنکھیں میچ لیں۔

''ریلیکس' آرام سے....'' ایک عورت تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔ سعدی نے مندی مندی سی آنکھیں کھولیں۔ یہ چہرہ.... وہ اسے پہچانتا تھا مگر اس وقت ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون ہے۔

''امی کہاں ہیں؟'' وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

''آپ کو پانی چاہیے؟ یا کچھ اور؟ کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟'' آواز' لہجہ سب شناسا سا تھا' مگر یہ کون...؟ اس نے پلکیں جھپکیں۔ خود پہ جھکی اسمارٹ سی اعورت کا چہرہ واضح ہوا۔ بھورے سنہرے رنگے بال اور سفید جلد....

''میری امی کہاں ہیں؟'' اس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

''آپ کو پانی دوں؟'' اب کے سعدی نے الجھن سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ کیا وہ اس کی بات سن نہیں سکتی تھی؟ اس نے پھر اٹھنے کی سعی کرنی چاہی' مگر کیا شے تھی، جو اس کو حرکت نہیں کرنے دے رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اپنے بازوؤں تک گئیں... دونوں بازو' کہنی سے کلائی تک' بیڈ کے ساتھ اسٹریپس سے بندھے تھے۔

ایک دم سے ذہن پہ دوائیوں سے چھایا نشہ اور غنودگی اترنے لگی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

''میں کہاں ہوں؟'' بے حد حیرت اور وحشت سے اس نے خود پہ جھکی عورت سے سوال کیا۔

''کیا آپ کو پانی چاہیے؟'' اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ ذہن میں بکھرے ٹکڑے جڑنے لگے۔ اس عورت کو دیکھتی اس کی آنکھیں سکڑیں۔

''میری؟ میری اینجیو؟'' کہنے کے ساتھ اس نے بازو زور سے کھینچے مگر گرفت مضبوط تھی' وہ کسمسا رہے۔

''میں کہاں ہوں؟'' وہ سیدھی ہوئی' سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ کو پانی چاہیے یا نہیں؟''

سعدی نے سر تکیے پہ گرا دیا۔ میری کو تکتی اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

''میں کہاں ہوں؟ میرے گھر والے کہاں ہیں؟'' مگر میری کاؤنچ کی طرف گئی، شاید فون وغیرہ پہ کسی کو اطلاع دی، کہ چند لمحے بعد دروازہ کھلا، اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''میری امی کہاں ہیں؟'' وہ بدقت بول پا رہا تھا۔ تکیے پہ رکھی گردن ذرا موڑی تو دھندلا سا منظر نظر آیا۔ نیلی جینز پہ گھٹنوں تک آتا سفید اوورآل پہنے، ایک لڑکی اس کی جانب آ رہی تھی۔ اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے، کہنی تک آتے، اور گردن میں اسٹیتھ پڑا تھا۔ قریب آئی تو چہرہ واضح ہوا۔

گندمی رنگت، اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور ان میں ایک معصوم سا تاثر۔ نرمی سے مسکراتی، وہ اس سے انگریزی میں اس کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔

''میری.....امی کہاں ہیں؟'' وہ اس کو اب کوئی انجیکشن لگا رہی تھی، اور سعدی ایک ہی بات دہرائے جا رہا تھا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ اندھیرا، پھر روشنی، پھر اندھیرا۔

پھر وہ میری کی طرف گھومی۔ ''اس کے ہاتھ کھول دو کم از کم۔ وہ بیمار ہے، اور زخمی بھی۔ اس حالت میں بھاگ کر کہاں جائے گا؟''

اس کی آواز میں ترحم تھا۔ مقابل کھڑی میری نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''تمہیں اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے! اپنے کام سے کام رکھو!''

''اپنے باس سے کہو، صرف اس کے ہاتھ کھول دیں۔ وہ...'' الفاظ گڈمڈ ہو گئے۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

.....❖❖❖.....

سازش تھی رہبروں کی یا قسمت کا پھیر تھا ..... ہم ہجرتوں کے بعد بھی قاتل کے گھر میں تھے

اس رات قصرِ کاردار کے عقب میں انیکسی کی ساری بتیاں روشن تھیں۔

صداقت کچن میں کھڑا ندرت کے ساتھ چیزیں سیٹ کروا رہا تھا۔ ندرت پھر اس کے بعد نہیں روئی تھیں۔ دو دن لگے ساری تیاریوں میں اور آج تیسرے دن وہ لوگ بالآخر اس انیکسی میں آ چکے تھے۔ لاؤنج بھی صفائی کے بعد چمکنے لگا تھا۔ لاؤنج میں سے ایک کمرے کا دروازہ کھلتا جس میں بڑے ابا ایک سنگل بیڈ پہ لیٹے تھے فاصلے پہ دوسرے بیڈ پہ سارے دن کا تھکا ہارا سیم سو رہا تھا۔

اوپر سیڑھیوں چڑھ کر جاؤ تو فارس اور زرتاشہ کے پرانے کمرے کا حلیہ ذرا بدلا ہوا تھا۔ فارس کی کوئی چیز ادھر نہ تھی۔ حنین اور ندرت کے بیگز اور کپڑے وہاں دکھائی دے رہے تھے۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ (یہ وہی کمرہ تھا جس میں زمر شادی کے دن سے رہ رہی تھی۔) سعدی کے لائے بکے وہیں رکھے تھے گو کہ وہ اب سوکھ چکے تھے۔ ایک الماری کھلی تھی اور فارس اس کے سامنے کھڑا' اس میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ہاتھ روک کر ایک نظر ان باکسز پہ ڈالی جن میں زمر کے کاغذات تھے اور جو اس نے (بادلِ نخواستہ) فارس کی چیزوں کے لئے اس الماری سے نکال لئے تھے۔ اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اسٹڈی ٹیبل پہ اس کی طرف پشت کیے' لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ مدھم زرد بتی میں بھی اس کے گھنگریالے بال چمک رہے تھے۔

''آپ یہ باکسز نیچے بیسمنٹ میں رکھ دیں۔ بیسمنٹ کی چابی آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی ہے۔'' پچھلے دو دن کی خاموشی کے بعد اس نے پہلی دفعہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جواب دیے بنا کام کیے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی۔

''آئی ایم سوری' اس دن آپ پہ غصہ کر گیا۔''

''آپ کی معذرتوں کا وقت گزر چکا ہے۔'' وہ مڑے بنا' کندھے اچکا کر بولی۔

''کوشش کروں گا اس کمرے میں کم سے کم آؤں اور آپ کو زیادہ پریشان نہ کروں۔ یہ بھی مجبوری ہے۔''

وہ چپ چاپ اسکرین کو دیکھے گئی اور وہ اس کے بالوں کو۔

''اگر آپ میری وجہ سے غیر آرام دہ ہیں تو اس کے لئے بھی معذرت کرتا ہوں۔ یہ آپ کا کمرہ ہے' آپ کا ہی رہے گا۔ میں صوفے پہ سوؤں گا۔ جب تک ہمیں ساتھ رہنا پڑے۔''

زمرکی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں' گردن موڑ کر جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے اپنے کمرے میں یہ صوفہ آپ کے لئے ہی ڈلوایا ہے۔'' اور واپس گھوم گئی۔ فارس نے ٹھنڈی سانس لی، پھر الماری کا پٹ بند کرتا کھڑکی تک آیا تو دم ٹھہرا۔ پردہ ذرا سرکا کر نیچے دیکھا جہاں برآمدے میں ہاشم کھڑا حنین سے بات کرتا نظر آ رہا تھا۔ فارس کے جبڑے بھنچے۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔

انیکسی کے برآمدے میں وہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے ہاشم تھا۔ ہاشم کے عقب میں سبزہ زار اونچا ہوتا دکھائی دیتا اور چوٹی پہ وہ بلند محل تھا۔ مگر جب ہاشم سامنے ہوتا تو دوسری ہر شے اپنا حسن اور عظمت کھو دیتی تھی۔ اب بھی وہ نرمی سے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

''اچھا کیا جو تم لوگ یہاں آ گئے۔ سیٹل ہو گئے ہو یا کوئی مدد چاہیے؟''

''نہیں' تھینک یو' سب ہو گیا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور لباس ملگجا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ رات کو بھی چمکدار سفید شرٹ میں ملبوس کتنا تازہ دم لگ رہا تھا۔ حنہ کو احساسِ کمتری نے آن گھیرا۔

''وہ بندہ پکڑا گیا یا نہیں؟ جو لفٹ کی فوٹیج میں ملا تھا؟''

''نہیں۔ پتہ نہیں۔'' حنہ نے یاسیت سے شانے اچکائے۔ ہاشم نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم اس معاملے میں کوئی دلچسپی کیوں نہیں لے رہی؟''

''پھپھو اور ماموں کر رہے ہیں نا سب۔''

''مگر وہ سعدی کے لیگل وارث نہیں ہیں۔''

''مطلب؟'' اس کے چہرے پہ آتی الجھن دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوا۔ ''کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟ پھپھو اور ماموں قانونی وارث نہیں ہوتے۔ اس کیس میں صرف تمہاری امی یا تم سعدی کے وارث ہو۔''

''اور سیم؟''

''وہ اٹھارہ سال سے چھوٹا ہے' سو وارث نہیں ہو سکتا۔''

''اوہ۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بے دلی سے سر جھکائے' جوتے سے فرش کھرچنے لگی۔

''تم کتنے سال کی ہو؟'' سامنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہاشم نے پوچھا۔

''بیس۔''

''میں پینتیس سال کا تھا جب میرا باپ مرا۔ میں بیس کا نہیں تھا' پھر بھی لوگوں نے میرا استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے میری نصیحت یاد رکھنا۔ جب آپ کے گھر کا سربراہ نہ رہے' تو آنکھیں اور کان کھلی رکھتے ہیں۔''

حنین چپ چاپ اسے دیکھے گئی مگر اس کے چہرے پہ الجھن بھری ناپسندیدگی کا تاثر تھا۔ ''مگر فارس ماموں اب ہمارے سربراہ ہیں'

تو....'' اسی پل دروازہ کھلا اور فارس باہر آیا۔ حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ چور لگا۔

''ہیلو فارس!'' ہاشم نے اسی طرح مسکرا کر سر کو خم دیا۔ حنہ فوراً اس کی طرف مڑی۔

''ماموں' ہاشم بھائی آپ کا پوچھ رہے تھے' میں سمجھی آپ سو چکے ہیں۔''

فارس نے ایک تیز' سپاٹ نظر ہاشم پہ ڈالی' پھر حنہ کو اشارہ کیا۔ ''اندر جاؤ۔'' آواز میں سختی تھی۔ وہ سر جھکائے ''او کے گڈ نائٹ'' کہتی فوراً اندر کھسک لی۔

اب وہ اپنے گھر کے دروازے کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ آستین چڑھائے' تنے ابرو اور دبے دبے غصے کے ساتھ ہاشم کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' پرسکون کھڑے ہاشم نے ابرو اٹھائے۔

''وقت نہیں مل سکا' کچھ حساب کتاب کرنا تھا تمہارے ساتھ۔'' آنکھوں میں تپش لئے اسے گھورا۔ ''کیا کہہ رہے تھے تم اس دن زمر سے؟ کہ سعدی کا حادثہ میرے سر پہ ڈال دو؟''

''اوہ کم آن!'' ہاشم نے بے حد حیرت سے سر جھٹکا۔ ''کیا اس نے ''یہ'' بتایا ہے تمہیں؟ اور کیا یہ نہیں بتایا کہ اس نے خود کیا کیا؟ ان فیکٹ مسز غازی نے مجھے بہت صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ آپ سے مجھ سے زیادہ نفرت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ....'' طنزیہ لہجے میں وہ گویا ہوا۔

''اور یہ بھی کہ اتفاق سے اس دفعہ بھی آپ کے پاس alibi ہے۔ تو میں نے پوچھا' فارس اس وقت کہاں تھا۔ بولیں میرے ساتھ تھا' مگر وہ اپنے تمام اعمال کا حساب بھگتے گا۔ میں نے پوچھا' آپ یہ فارس پہ ڈالنا چاہتی ہیں؟ تبھی تم آ گئے۔ شاید انہوں نے تمہارے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لئے یہ کہا ورنہ....! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بہت محتاط رہتا' کیونکہ ہم سب کو پتہ ہے کہ انہوں نے تم سے شادی کیوں کی ہے۔''

''میری بات کان کھول کر سنو ہاشم!'' وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا آگے آیا۔ ''یہ میرا گھر ہے' اور زمر میری بیوی ہے۔ تم مجھے مقابلے پہ اس کی بات کا زیادہ یقین ہے' اس لئے.. میری بیوی سے.... دور رہو!'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ ''اگر ایک لمحے کے لئے بھی مجھے لگا کہ تم سعدی کے حادثے کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہو' تو یاد رکھنا' میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔'' ایک تیز نظر اس پہ ڈال کر وہ مڑنے لگا' پھر رکا۔ ''اور ہاں' میرے گھر میری غیر موجودگی میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا دوست سعدی تھا۔ اس گھر میں اب تمہارا مزید کوئی دوست نہیں ہے۔'' اور اندر جا کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

ہاشم بمشکل ضبط کرتا مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سبزہ زار پہ چلتا گیا۔ اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا۔ اس کے کمرے کی بالکونی سامنے تھی۔ بیرونی زینے سے وہ بالکونی پہ چڑھا اور اندر کمرے میں آ کر موبائل پہ نمبر ملایا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھائی۔

''جی سر؟''

''خاور' مجھے نہیں پتہ تم یہ کیسے کرو گے....'' غصیلی آنکھوں کے ساتھ وہ فون میں غرایا تھا۔ ''مگر مجھے فارس غازی جیل کے اندر چاہیے' کبھی بھی باہر نہ نکلنے کے لئے۔''

''او کے سر۔ میں کچھ کرتا ہوں۔''

کال بند ہوئی تو ہاشم نے اسی برہمی سے فون صوفے پہ پھینک دیا۔ اور منہ ہی منہ میں چند انگریزی گالیاں اسے نکالیں۔ غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

انیکسی کے اندر فارس سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو حنہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بجھے چہرے کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ وہ

چوکھٹ میں ٹھہرا۔

''آئندہ ہاشم سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔'' نہ سختی' نہ نرمی' بس ہموار لہجے میں کہہ کر' اس کا ''جی اچھا'' میں جھکتا سر دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔ (اپنا کمرہ؟)

ہلکی دستک دے کر دروازہ کھولا تو کمرے کی بتی بجھی تھی' صرف ڈریسنگ روم کا بلب جل رہا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل خالی تھی۔ وہ بیڈ پہ لحاف گردن تک اوڑھے، آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ (کیا یہ میرے جانے کا انتظار کر رہی تھی؟) وہ آہستہ سے دروازہ بند کرتا بیڈ کے قریب آیا۔ دوسرا تکیہ اٹھایا اور صوفے پہ رکھا۔ پھر یونہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں بازو سے ڈھکی تھیں' مگر ناک کی لونگ دمکتی نظر آ رہی تھی۔ فارس کے چہرے پہ چھائے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ نظر زمر کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑی۔ وہاں دوائیں رکھی تھیں' اور ساتھ میں جگ گلاس۔ جگ خالی تھا۔ اس نے جگ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو وہ پانی سے بھرا تھا اور ٹھنڈے پانی کے باعث جگ کو پسینہ آیا ہوا لگتا تھا۔

جگ واپس دھرتے اس نے گردن جھکا کر ذرا اسے دیکھا۔ وہ جاگ رہی تھی' وہ جانتا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔ پھر صوفے کی طرف آ گیا۔

گھر کی بتیاں آہستہ آہستہ بجھنے لگیں۔ خاموشی چھانے لگی۔ کتنے ہی پل ان کے کمرے میں آہستہ سے سرک گئے۔ وہ ہنوز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹی تھی' اور وہ صوفے پہ نیم دراز' سینے پہ لیپ ٹاپ رکھے' ہسپتال کی فوٹیج بار بار دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اسکرین کی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ ڈریسنگ روم کی بتی اب بند تھی' اور باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

ایک دم سے وہ اٹھ بیٹھی۔ بالکل سیدھی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ پاؤں نیچے اتارے' بالکل دم بخود سی بیٹھی تھی۔ ''اوہ!'' وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

''زمر... آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ لیپ ٹاپ میز پہ رکھتا خود بھی اٹھ بیٹھا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نیم اندھیرے میں بھی اتنا واضح تھا کہ اس کی آنکھیں خوابیدہ تھیں۔ شاید وہ سو گئی تھی اور کچی نیند سے جاگی تھی۔

''وہ... ویڈیو....'' وہ بے خودی کے عالم میں بولی۔

''کون سی ویڈیو؟ ہاسپٹل والی؟'' وہ ایک طرف کو ہو بیٹھا۔ ''آیئے، دیکھ لیجئے۔''

وہ ایک دم اٹھی' اور ننگے پیر تیزی سے اس تک آئی۔

''کیا آپ اس ویڈیو کی بات کر رہی ہیں؟ بیٹھ جایئے'' وہ جو کافی مضطرب سی لگ رہی تھی' صوفے کے کنارے ٹک گئی' اور آگے کو جھک کر اسکرین دیکھی۔ ہسپتال کے ایک کاریڈور کی فوٹیج چل رہی تھی۔

''اونہوں... لفٹ والی....'' وہ پریشانی سے بولی تو فارس نے ''اچھا'' کہہ کر مطلوبہ ویڈیو لگائی۔ زمر نے چہرہ مزید آگے جھکایا تو گھنگریالی لٹیں کندھوں سے پھسل کر سامنے کو گریں۔ فارس نے ذرا کی ذرا نظر اس پہ ڈالی۔ وہ بال کان کے پیچھے اڑستی' آنکھیں سکیڑے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ... یہ دیکھو'' اس نے ایک منظر کو اسٹل کیا تو فارس نے توجہ اور دھیان اسکرین کی طرف لگانا چاہا۔

''مجھے ابھی یاد آیا، یہ آدمی.... دیکھو... چھینک مارنے کے لئے ماسک اتارنے سے چھ سیکنڈ پہلے.... اس نے نظر اٹھا کر کیمرے کی طرف دیکھا ہے۔''

وہ ایک دم چونکا۔ اسکرین پہ اس شخص کی نگاہ اٹھا کر فوراً واپس موڑ لینے کو زمر نے اسٹل کر رکھا تھا۔

''یعنی کہ وہ اس بات سے واقف تھا کہ لفٹ کا کیمرہ اس کی تصویر بنا رہا ہے۔''

''ہاں' اور پھر بھی اس نے ماسک اتارا۔'' زمر کا اضطراب اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔'' تاکہ ہم اس کا چہرہ ٹھیک سے دیکھ لیں۔ اب چار دن میں پولیس اس کو پکڑ بھی لے گی اور یہ اعترافِ جرم بھی کر لے گا۔''

''کیونکہ یہ صرف ایک کرایے کا آدمی ہے' جسے اصل مجرم خود کو چھپانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔ پھر کچھ یاد آیا'' یہ دیکھئے۔ میں دوسری فوٹیجز چیک کر رہا تھا۔ یہ اس کاریڈور کو دیکھئے۔'' اس نے ایک اور ویڈیو لگا کر دکھایا۔ کاریڈور خالی تھا۔ فارس نے ذرا فارورڈ کیا۔'' اس شیشے کے دروازے کو دیکھئے۔ اس میں مخالف کاریڈور کا عکس جھلک رہا ہے۔''

زمر نے گردن مزید آگے کر کے غور سے دیکھا۔'' اس عکس میں ایک نرس جاتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے' اس کی پشت ہے اس طرف' درمیان راستے میں وہ ٹرے میں سے کچھ گراتی ہے' پھر اٹھاتی ہے اور چلی جاتی ہے۔''

''او کے پھر؟'' نیم اندھیر کمرے میں وہ دونوں صوفے پہ ساتھ ساتھ بیٹھے بات کر رہے تھے۔

''اس کاریڈور میں اگلے آدھے گھنٹے میں ہر پانچ منٹ اور سترہ سیکنڈ بعد ایک نرس کا عکس دکھائی دیتا ہے جو بیچ راستے میں کچھ گرا کر اٹھاتی ہے۔ یا تو ہسپتال کی ساری نرسیں اندھی ہیں' یا پھر یہ ایک ہی پانچ منٹ کا کلپ ہے جسے بار بار دہرایا گیا ہے۔''

''یعنی اصل آدھے گھنٹے کی ٹیپ غائب ہے؟'' وہ چونکی۔'' اگر ہسپتال والے ان آرگنائزڈ کرمنلز کے ساتھ مل کر یہ ٹیپ ڈاکٹر کر سکتے تھے' الٹ والی ٹیپ بھی غائب کر سکتے تھے۔ مگر نہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کھیل کھیلا۔'' اس کی پیشانی پہ بل پڑ رہے تھے اور وہ غصے سے کہتی جا رہی تھی۔'' ان کو پتہ تھا ہم فوٹیجز نکلوائیں گے' سو وہ ہر اس راستے پہ بیٹھے ہیں ہمیں بھٹکانے کے لئے جو سعدی تک جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہم سے دو قدم آگے رہیں گے۔'' وہ ذہنی طور پہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ فارس نے کنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ' اس کے تکیے کے ساتھ ٹکی ہے' اسے احساس نہیں ہوا۔

''اگر وہ ہمیشہ ہم سے دو قدم آگے رہیں گے تو ہم سعدی کو کبھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔''

''بالکل!'' وہ اسکرین کو پلکیں سکیڑ کر دیکھے گئی۔ اندھیرے کمرے میں واحد مدھم سی روشنی عجب فسوں بکھیر رہی تھی۔ وہ بدقت (زمر نظریں ہٹا کر) سامنے دیکھنے لگا۔ لائبریری کے سارے منظر اردگرد اترنے لگے تھے۔

''بس پھر ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈتے۔'' وہ قطعیت سے بولی تو وہ چونکا۔

''کیا مطلب؟''

''ہم ان کے قدم پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ ہمیشہ دو قدم آگے رہیں گے' سو ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے۔ ہم ان کو ان کی گردن سے پکڑیں گے۔ وہاں سے جہاں سے انہوں نے تصور نہیں کیا ہوگا۔'' وہ لیپ ٹاپ کو دیکھتی' گویا خود سے بول رہی تھی۔

''مگر ہم نہیں جانتے' وہ کون ہیں۔''

''وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں جانتے' مگر... یہاں پر انہوں نے ایک غلطی کر دی ہے۔'' وہ پہلی دفعہ مسکرائی اور نگاہیں موڑ کر فارس کو دیکھا۔'' کیا تم نے کرمنل لاء میں پڑھا نہیں تھا کہ Its not the Crime, Its the cover-up. ''

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔'' بالکل۔ مجرم کو اس کا جرم نہیں پکڑواتا' بلکہ جرم کو چھپانے کی کوشش پکڑواتی ہے۔''

''سو اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش میں' انہوں نے اپنا ایک بندہ ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب تک وہ ہمارے لئے ایک انجان گروہ تھا مجرموں کا۔ مگر اب... اب ہم ان کے ایک ساتھی کو جانتے ہیں۔ یہ لفٹ والا آدمی۔'' مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو صرف ایک ہرکارہ ہے' کرایے کا آدمی۔ جن لوگوں نے سعدی پہ حملہ کیا ہے' یہ آدمی ان کو جانتا تک نہیں ہوگا۔''

''بالکل' وہ بھی یہی سمجھتے ہیں مگر فارس... وہ کسی کو تو جانتا ہوگا۔ کسی نے تو اس کو پیسے دیے ہوں گے اس کام کے۔ ہم اس آدمی کے

ذریعے اس کو ڈھونڈیں گے جس نے اسے پیسے دیئے اور پھر اس سے اوپر والے کو اور یوں زینے پہ زینہ چڑھتے ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے سعدی کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ سو اب ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے ہم ان لوگوں کو ڈھونڈیں گے۔ جس دن ہمیں یہ لوگ مل جائیں گے اس دن سعدی بھی مل جائے گا۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔

''او کے۔ ایسے ہی کرتے ہیں مگر ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔ کیا آپ نے بیلسٹک رپورٹ دیکھی؟ سعدی کو GLOCK گن سے گولی ماری گئی۔ قوی امکان ہے کہ جی فورٹی ون استعمال کی گئی۔ پاکستان میں جی فورٹی ون منگواؤ تو ڈھائی تین لاکھ سے کم کی نہیں ملتی۔ اور کون منگوا سکتا ہے اتنے آرام سے گلاک کی پستول؟ اسلحے کی درآمد ممنوع ہے اور صرف سنگل امپورٹ لائسینس کے ذریعے ہی کوئی ایک وقت میں ایک ہی پستول منگوا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے یہ مہنگی ترین guns میں سے ایک ہے۔ کلاس اور ٹیسٹ چیک کریں ذرا ان لوگوں کا۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کر رہا تھا ایک دم رکا۔ اس نے زمر کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ گن کے ذکر پہ جیسے وہ ہوش میں آئی۔ بے اختیار چونک کر آس پاس دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ.... ایک دم وہ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ سپاٹ پن آ گیا۔

''ظاہر ہے قاتل اسلحے کے بارے میں آپ سے بہتر کون جانتا ہوگا۔'' تلخی سے کہہ کر وہ تیزی سے بیڈ تک آئی۔ زرد موسموں کا سارا فسوں غائب ہو گیا۔ اندھیرے میں دو سایے رہ گئے۔ ایک صوفے پہ بیٹھا تھا اور دوسری بیڈ کے ساتھ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

''گڈ نائٹ۔'' فارس کے چہرے پہ سنجیدگی اتر آئی۔ اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ کمپیوٹر آف کرنے لگا۔

.....❖❖❖.....

جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر ..... مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

دیوار کے پار حنین اور ندرت کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ ندرت بیڈ پہ بیٹھیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ اور حنین کروٹ کے بل لیٹی چادر پہ انگلی سے لکیریں کھینچتی جا رہی تھی۔ زمر کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

''مجھے سعدی کا لیپ ٹاپ کھول دو حنین۔ میں کسی شاپ پہ جا کر بھی کھلوا سکتی ہوں مگر یہ کام تم مجھے خود کر کے دو گی۔ اگر تم کچھ کر سکتی ہو تو!'' وہ جانتی تھی زمر نے صرف اس کو اکسانے کے لئے ایسا کہا تھا مگر وہ ان باتوں میں اب نہیں آیا کرتی تھی۔ پھر بھی وہ اٹھی اور سلیپرز پہن کر باہر نکل آئی۔

چند لمحے بعد حنین بیسمنٹ کے زینے اتر رہی تھی۔ بتیاں جلائیں تو سارا تہہ خانہ روشن ہوا۔ وہ ایک کھلا سا کمرہ تھا جس میں ستون لگے تھے اور پورے گھر کے رقبے پہ وہ پھیلا ہوا تھا۔ اس کا آدھا حصہ اس سامان اور باکسز سے بھرا ہوا تھا جو خالی گھر کر کے شفٹنگ کے وقت وہ ادھر لائے تھے۔ ایک کونے میں الگ سے چند باکسز رکھے تھے۔ حنین قدم قدم چلتی اس کونے تک آئی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آنکھیں نم ہوئیں۔

سعدی کی چیزیں!

اس نے سعدی کے کپڑوں والا باکس کھولا۔ ایک شرٹ نکالی۔ صاف ستھری سفید ٹی شرٹ۔ وہ سوتے وقت عموماً یہی پہنتا تھا۔ ٹی شرٹ دونوں ہاتھوں میں پکڑے وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ جب ہی اندھیر تہہ خانے سے آواز آئی۔

''یا صاحبی السجن'' (اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو!) اس نے چونک کر گردن گھمائی۔ سعدی کی آواز تھی وہ۔ مگر وہ خود ادھر نہیں تھا.... وہ دور کہیں کسی دوسرے زمانے میں اسے پکار رہا تھا... ایک منظر ساز ذہن میں روشن ہوا۔

ریسٹ ہاؤس کا کمرہ۔ فاصلے پہ بچھے دو سنگل بیڈ۔

دونوں بیڈز کے پاؤں کی طرف نیچے لگے دو میٹرس۔ (انگریزی حرف T) کی طرح۔ ندرت کا بیڈ خالی تھا۔ اس کی پائنتی سے نیچے بچھے میٹرس پہ سیم سو رہا تھا۔ دوسرے بیڈ پہ حنین آنکھوں پہ بازو رکھے چادر گردن تک تانے لیٹی تھی۔ نچلے میٹرس پہ سعدی چت لیٹا تھا۔ اسی

ہوئی شرٹ میں ملبوس۔ یکا یک اس نے بازو پہ ہاتھ مارا۔

''حنہ یہاں کتنے مچھر ہیں۔''

وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر نیند میں ڈوبی آواز میں بولی۔

''یہاں ایک بھی مچھر نہیں ہے بھائی۔ آپ صرف مجھے بلوانے کے لئے ایسے کہہ رہے ہیں۔ پلیز سو جائیں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔''

ہدی کے چہرے پہ خفگی ابھری۔

''یار حنین، بندہ کوئی بات ہی کر لیتا ہے' ہم کب سے اس قید خانے میں پڑے ہیں۔''

''اس چھوٹے شہر میں صفیہ خالہ لوگوں نے ساری بارات کے لئے اتنا اچھا ریسٹ ہاؤس بک کروایا ہے' ہمیں پورا ایک کمرہ ملا ہے' اس کو قید تو نہ کہیں۔ اور سو جائیں۔''

چند لمحے کی خاموشی۔ پھر وہ بولا۔ ''مجھے نیند نہیں آ رہی۔ امی کہاں رہ گئیں۔''

''وہ فرزانہ خالہ کے کمرے میں ہیں۔ وہاں ساری خالائیں' ممانیاں محفل لگائے بیٹھی غیبتیں کر رہی ہوں گی۔ آپ بھی وہیں چلے جائیں۔''

''نہیں یار.... اتنی مشکل سے بندہ روز کی پانچ نمازیں پوری کر پاتا ہے' ایویں سارا ثواب ان سب لوگوں کو دے دیں جن کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں؟''

''پھر سو جائیں۔'' جمائی روکتے' اس نے کروٹ بدلی۔ نیند سے آنکھیں بند تھیں۔ چند لمحے گزرے' پھر اس نے بڑے پیار سے پکارا۔

''یاصاحبی السجن!'' (اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!'')

حنین کے ہونٹ مسکراہٹ میں پھیلے۔ بازو ہٹایا اور کہنی کے بل اٹھ کر چہرہ اونچا کیا' وہ نیچے تھا' تبھی نظر نہ آیا' تو وہ اٹھی' اور تکیہ اٹھا کر بائیں والی طرف رکھا اور گھوم کر اس طرف سر رکھ دیا۔ پھر گردن اٹھا کر دیکھا تو وہ نیچے لیٹا' مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر دوسرے تکیے پہ ڈالی (سیم) جو کب کا سو چکا تھا۔

''سورۃ یوسف؟'' اس نے مسکرا کر آیت کا متن پوچھا۔

''ہوں۔ میری فیورٹ سورۃ!''

''بس کر دو بھائی۔ آپ سے تو جس سورۃ کا ذکر کرو' آپ کہتے ہیں' یہ میری فیورٹ ہے۔''

''کب کہا میں نے ایسا؟''

''مجھے زیادہ بولنے پہ مجبور نہ کریں اور سو جائیں۔'' دوبارہ ماتھے پہ بازو رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

''یاصاحبی السجن!'' ذرا دیر گزری تو اس نے پھر نرمی سے حنہ کو پکارا۔ وہ ''ہوں'' کر کے رہ گئی۔ ''میں ایک بات سوچ رہا تھا۔''

''دل میں سوچیں بھائی۔'' مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا، بولتا گیا۔

''تمہیں یاد ہے' یوسف علیہ السلام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی تھی' ایک کو سولی پہ چڑھنا تھا' اور دوسرے کو بادشاہ کا ساقی بننا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جانا تو میرا ذکر کرنا۔ اس سے اگلی آیت یاد ہے تمہیں؟''

رات کے ڈیڑھ بجے' وہ کچی نیند میں ڈوبی حنین سے پوچھ رہا تھا۔ حنہ کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ نمودار ہوئی (ہنہہ ایہہ کیڑی آیت

اے؟) (اب یہ کون سی آیت ہے؟) اف بھائی کو کون سمجھائے کہ ہر کوئی آپ کی طرح قرآن کریزی نہیں ہوتا۔

''نہیں۔کون سی آیت؟'' جمائی روکتے پوچھا۔آنکھیں بند تھیں۔

''وہ سورۃ یوسف کی سب سے دلچسپ آیت ہے' اور تمہیں وہی نہیں یاد؟''

(لو جی...ان سے پوچھو تو ہر دوسری آیت ''سب سے دلچسپ'' ہوتی ہے۔)

''ابھی نہیں....'' جمائی سے آواز پھر بھاری ہوئی۔''..یاد آرہی۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' وہ چت لیٹا' ایک دم ایکسائٹڈ سا بولا۔اور ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں' اور سارے سمندر روشنائی' اور ان سے لکھنے بیٹھو تو ختم ہو جائیں درخت اور ختم ہو جائیں سمندر' مگر اللہ کی باتیں کہاں ختم ہوتی ہیں؟ اور قرآن کے اچھے اسٹوڈنٹس کو بھی بس بولنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔

''یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔اگلی آیت ہے' شیطان نے بھلا دیا اس کو ذکر کرنا اپنے آقا سے تو وہ ٹھہرا رہا قید میں کئی سال۔''

''ہوں۔'' وہ آدھ پون لفظ سن پائی۔

''اب سنو مزے کی بات۔اس آیت میں ''اپنے آقا سے ذکر کرنے'' کے لئے لفظ آیا ہے ''ذکر ربہ''. اس کے دو مطلب ہیں۔آقا سے ذکر کرنا۔اور آقا کا ذکر کرنا۔اصل میں اس آیت کے بھی دو مطلب ہیں۔ پہلا' شیطان نے اس ساتھی قیدی کو بھلا دیا کہ وہ بادشاہ سے یوسفؑ کا ذکر کرتا۔اور دوسرا، شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا اپنے رب کا ذکر کرنا، اس لئے وہ ٹھہرے رہے جیل میں اگلے کئی سال۔آئی سمجھ؟''

''ہیں؟'' وہ بمشکل آنکھیں کھول پائی۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی یوسف یہ الفاظ نہ کہتے تو اتنے برس جیل میں نہ ٹھہرے رہتے۔''

''مگر انہوں نے جیل سے نکلنے کی کوشش ہی تو کی تھی' اس میں کیا بری بات ہے؟''

''میرے یا تمہارے جیسے لوگوں کے لئے جیل سے نکلنے کی کوشش کرنا دراصل خود ایک جہاد ہے' ایک اچھا کام ہے' ہم کریں تو ٹھیک ہوگا' مگر مقربین کی حسنات دراصل سیآت شمار ہوتی ہیں۔''

''کس کی کیا' کیا شمار ہوتی ہیں؟'' اس نے ترجمہ مانگا۔

''مطلب جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوتے ہیں' ان کی حسنات یعنی چھوٹی نیکیاں' ان کی غلطیاں شمار ہوتی ہیں۔گناہ نہیں' کہ انبیاء کبھی گناہ نہیں کرتے تھے۔''

''نہیں سمجھ آئی بھائی۔''

''دیکھو' مسجد میں جھاڑو لگانا کتنی اچھی بات ہے۔ہے نا؟ جو عورت مسجد میں جھاڑو لگاتی تھی' جب فوت ہوگئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لئے خصوصی دعا کی۔یہ ایک حسنہ ہے۔ایک نیکی۔لیکن تصور کرو کسی ایسے اسکالر کو جس کا عمل بھی نیک ہو اور علم بھی بہت ہو۔اللہ نے اسے ری سورسز دیے ہوں' ٹیلنٹ دیا ہو' مواقع دیے ہوں کہ وہ پوری دنیا میں جا کر دین کی تبلیغ کرے' بڑے بڑے فورمز پہ جا کر قرآن کی باتیں لوگوں کو سنائے' اب اگر ایسا بندہ سب چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں دن رات صفائی کرنے لگ جائے تو ہوگی یہ بھی ایک نیکی مگر یہ اس کی برائی شمار ہوگی' کیونکہ جو جتنا نیک اور اچھا ہوگا' اللہ کی اس سے توقعات اتنی بڑھ جائیں گی۔کوئی عام بندہ رہائی کا کہے بادشاہ سے تو بہت اچھا' مگر اللہ تعالیٰ کو یوسف علیہ السلام سے اس سے کہیں زیادہ کی توقع تھی۔''

''مطلب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا؟''

''نہیں استغفراللہ... حنہ انبیاء کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام نہیں کرتے تھے۔ وہ معصوم تھے اور یوسف علیہ السلام کی تو اللہ نے صرف اس ذرا سی کمی کی طرف توجہ دلائی' کیونکہ وہ ایک کامل انسان تھے۔ صبر والے' اور علم والے۔ یہ ایک غلطی تھی، کہ انسان کو مصیبت میں صرف اللہ کی طرف دیکھنا چاہئے۔ اچھا اب وہ سنو جو میں سوچ رہا تھا۔'' وہ چت لیٹا بولتا جا رہا تھا۔ ''تم نے نوٹ کیا' یوسف علیہ السلام کو دنیا کا آدھا حسن دیا گیا تھا' اور جن عورتوں کو خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ خوبصورت ہو' وہ روز سورۃ یوسف پڑھتی ہیں' مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ' الحمد ایک دفعہ بھی سورۃ یوسف میں نہیں کہا کہ یوسف خوبصورت تھے۔ ان کے حسن کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ نے ہمیں ''احسن القصص'' (سورۃ یوسف) اس لئے دی تھی تاکہ ہم کسی انسان کی ان خوبیوں کو جان پائیں جو اس کو اللہ کی نظر میں خوبصورت بناتی ہیں' مگر حنہ' یار کوئی یہاں آ ان سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتا۔ تم سن رہی ہو نا؟'' ہاتھ بڑھا کر حنہ کے بالوں کی لٹ کھینچی۔ ''کٹو' یار سنو' میں تم سے بات کر رہا ہوں۔''

''سونے دو بھائی۔'' وہ نیند میں تھی۔

''ایک وقت آئے گا حنین یوسف جب تم میری باتوں کو مس کیا کرو گی۔'' بڑے ہی خفا انداز میں وہ بولا۔

''ایں؟ کون سا وقت؟'' اس کے ذہن میں کوئی فکر جاگی۔

''جب میں شادی کے بعد رخصت ہو کر کسی کا گھر داماد بن جاؤں گا۔''

''توبہ!'' وہ نیند میں بھی زور کی ہنسی۔ ''آپ کو کوئی گھر داماد نہیں بنائے گا۔''

''ایویں نہیں بنائے گا؟ جیب خالی ہے تو کیا ہوا' بندہ بہت اچھا ہوں میں۔ ایک تو خوش اخلاق اتنا ہوں' اوپر سے خوبصورت بھی ہوں۔'' ذرا رک کر پوچھا۔ ''ہوں نا؟''

اس نے بالآخر تکیہ اٹھا کر زور سے نیچے اچھالا۔ ''سو جاؤ بھائی۔ میں کبھی نہیں مس کرنے والی آپ کو۔ جائیں کر لیں شادی۔''

یاد کا بلبلہ پھٹا اور وہ واپس اس نیم اندھیر تہہ خانے میں آئی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو سعدی کی شرٹ پہ گر رہے تھے۔ دل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سعدی کے لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets والا باکس چھوئے بغیر واپس ہو لی۔ کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

یہ اہلِ درد بھی کس کی دہائی دیتے ہیں ..... وہ چپ بھی ہو تو زمانہ ہے ہمنوا اس کا

وہ بار کے کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ پیچھے لوگوں کا شور' موسیقی' جلتی بجھتی روشنیاں تھیں۔ وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ چہرے پہ فکرمندی بھی تھی اور امید بھی۔

''ہئے شیرو!'' وہ اسی پل اس کے ساتھ والے اسٹول پہ آ بیٹھی۔ کلچ کاؤنٹر پہ دھرا اور چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اپنے سنہری بالوں کو اونچی (اور چھوٹی) سی پونی میں کسے اور سرخ لپ اسٹک لگائے' شہرین ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' ایک دم سے ساری دنیا رنگین ہو گئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے لئے آرڈر کرنے لگا۔

''میں تو ٹھیک ہوں' مگر تم نے سعدی کے بارے میں سنا؟ اوہ گاڈ! مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔'' وہ سر شاک کے عالم میں نفی میں ہلاتی موبائل پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نوشیرواں کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حلق میں کوئی کریلا پھنسا۔

''جی' میں نے سنا۔''

''مطلب کہ لاقانونیت کی حد ہوتی ہے۔ پہلے گولی اور پھر اغوا۔ یہ پکچر دیکھی تم نے؟'' اس نے اسکرین پہ وہی پولیس فوٹو گراف

نکال کر اس کے سامنے کی۔ ''یہ وائرل ہو رہی ہے۔ اس کے یونیورسٹی کے دوست اس کے لئے HashTag Save Saadi ٹرینڈ کو بہت پروموٹ کر رہے ہیں' مجھے بھی اسی سے پتہ چلا۔ تمہیں پتہ ہے انہوں نے لیڈز میں اس کے لیے vigil بھی کیا ہے۔ دیکھو کتنی بری طرح پیٹا گیا ہے اسے۔'' وہ فکرمندی اور تاسف سے بولے جا رہی تھی اور وہ صبر سے گھونٹ بھرتا گیا۔ مشروب زہر جیسا تلخ تھا۔

''آپ واپس کب جا رہی ہیں؟ سونیا کو مس تو کر رہی ہوں گی۔''

''میں اگلے ہفتے چلی جاؤں گی مگر یقین کرو جب سے میں نے سعدی والی نیوز دیکھی ہے' بہت اپ سیٹ ہوں۔ شکر ہے تم مجھے مل گئے' کم از کم کسی سے ڈسکس تو کر سکتی ہوں۔ اس دن اتنا کچھ بول گئی میں اس کے بارے میں جو بھی ہے، وہ اچھا لڑکا ہے۔'' پھر رک کر سوچا۔ ''ہے کہنا چاہیے یا تھا؟''

''واپس جا کر کیا پلانز ہیں آپ کے؟''

''ایک سوشلائیٹ کے کیا پلان ہو سکتے ہیں؟ وہی روٹین لائف۔ ویسے تمہیں کیا لگتا ہے' سعدی کو ان لوگوں نے مار دیا ہوگا؟''

گلاس پہ نوشیرواں کی انگلیوں کی گرفت سخت ہو گئی' اور لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ بے زاری اتری۔ ''پتہ نہیں۔'' اور گھونٹ بھرا۔ شہرین ہنوز تاسف سے بولے جا رہی تھی۔

وہ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تھا۔

❖❖❖

یہ گرد بادِ تمنا میں گھومتے ہوئے دن ..... کہاں پہ جا کے رکیں گے یہ بھاگتے ہوئے دن

دو ہفتے بعد

وہ گرم صبح قصرِ کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ چمکدار سی طلوع ہوئی تھی۔ زمر نے آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش پھیرتے کھڑکی سے باہر دیکھا تو سبزہ زار پہ ملازموں کی چہل پہل شروع ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ تبھی باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آیا۔

زمر نے برش رکھ دیا اور پرس اٹھائے باہر نکل گئی۔ فارس نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا' اور دوسری کمرے پہ ڈالی جس کو وہ ہر صبح چند منٹوں میں نفاست سے سمیٹ چکی تھی۔ تکیے بیڈ پہ' بیڈ کور برابر۔ ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھٹکا اور الماری کی طرف آیا۔ آج اسے جاب پہ جاتے پانچواں دن تھا۔

یہ پانچ جون تھی' اور اکیس مئی کے اذیت ناک دن کو گزرے قریباً دو ہفتے بیت چکے تھے۔

زمر باہر نکلی تو نیچے صداقت کے کچن سے خوشبو آ رہی تھی۔ وہ حنہ کے دروازے پہ رکی' پھر اسے دھکیلا تو اندر کا منظر نمایاں ہوا۔ ندرت کا بیڈ خالی تھا' اور حنین اپنے بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ بال پونی میں بندھے' وہ ڈل اور کمزور لگتی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا' آنکھوں میں امید جاگی۔

''بھائی کا کچھ پتہ چلا؟''

''اونہوں۔ لیکن اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔ ہم مل کر سعدی کو ڈھونڈیں گے۔'' حنہ کے چہرے کی جوت ماند پڑ گئی' اس نے تھوڑی گرا دی۔

''میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری وجہ سے ...اپنے آخری دن بھائی اتنا ناراض ہوا تھا۔ میں آپ کی طرح نہیں ہوں' کہ....'' نظریں جھکائے خفگی سے بولی۔ ''اس سے چار سال بات نہ کروں اور پھر ظاہر کروں کہ مجھے اس کی بہت پرواہ ہے۔''

چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

''حنین مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی' اور میں اس کے لئے شرمندہ ہوں۔ تم نے سنا؟ آئی...ایم...سوری فار ڈیٹ!'' وہ بولی تو آنکھوں

ہیں شکوہ اور آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ''میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا' میں نے غلط کیا' اور مجھے تب یہ احساس ہو گیا تھا جب ابا نے بتایا ا۔ مجھے گردہ سعدی نے دیا تھا۔ میں اس دن اس کے پاس چلی گئی تھی' اور ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو گیا تھا' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چار سال مٹ گئے۔ مجھے مرتے دم تک ان کا افسوس رہے گا۔'' اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ حنین نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں لالی کرچیاں سی بکھری تھیں۔

''اگر تم مجھ سے پوچھو تو میرا دل چاہتا ہے کہ ہر اس شخص کو روکوں جو اپنے کسی خونی رشتے دار سے ناراض ہے اور کہوں کہ اس کو کال کرو' اس سے تعلق جوڑ لو' چاہے اس نے آپ کا کتنا بھی دل کیوں نہ دکھایا ہو۔ میری طرح اتنے سال ضائع نہ کرو بے کار کی انا میں۔ اگر تعلق نہیں جوڑو گے تو پتہ ہے کیا ہو گا؟ آپ کے بچوں میں انہی بہن بھائیوں کی شکلیں اور عادتیں نظر آنے لگیں گی جن سے آپ بہت دکھی دل کے ساتھ علیحدہ ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کیوں بناتا ہے آپ کی اولاد میں آپ کے رشتوں کی مشابہت؟ اس لئے تاکہ ہم ان کو نہ بھول سکیں۔ کیونکہ اگر ہم نے جلد صلح نہ کی تو وہ مر جائیں گے' کھو جائیں گے' یا ہم مر جائیں گے۔ کھو جائیں گے۔ میں نے غلطی کی تھی اور مجھے اس کے لئے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ مگر تم میری غلطی کیوں دہرا رہی ہو؟''

آخری فقرے پہ حنہ نے منہ موڑ لیا۔

''ایک حادثے کے بعد اپنے واحد پیرنٹ کو مزید بیمار دیکھنا' اور ساری دنیا سے کٹ آف کر کے کمرے میں پڑ جانا' اور جو اپنے تمہارے پاس ہیں' ان کو ہر وقت الزام دیتے رہنا' تمہیں لگتا ہے یہ تمہاری کہانی ہے حنہ؟ نہیں۔ اگر چار سال پیچھے جاؤ تو یہ میری کہانی ہے۔ اب میں اس غلطی کو نہیں دہرا سکتی تو تم کیوں دہرا رہی ہو؟''

حنین نے جواب نہیں دیا۔ منہ موڑے' گیلی آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھے گئی۔

''مجھے نہیں پتہ تمہیں کون سا گلٹ روز بروز کمزور کرتا جا رہا ہے' لیکن میں جس حنین کو جانتی ہوں' وہ ہمارے خاندان کا سب سے جینئس اور بولڈ بچہ تھا۔ اتنی ڈل اور کم اعتماد نہیں تھی وہ۔ تمہیں سعدی سے محبت ہے تو اٹھو اور اس کمرے سے باہر نکلو' اور اس کے لئے کوشش کرو۔ یا لم از کم میری اس کے لئے محبت کو جج کرنا چھوڑ دو۔'' اور وہ مڑ گئی تو پیچھے سے حنہ ہلکا سا بولی۔

''مجھے پتہ ہے آپ کو بھائی سے بہت محبت ہے' اور ساری بات ہی یہی ہے کہ آپ کو صرف بھائی سے محبت ہے۔'' گیلی آنکھوں سے اس نے زمر کی پشت دیکھی۔ ''اگر سعدی کی جگہ حنہ کھوتی تو آپ اتنی بھاگ دوڑ کبھی نہ کرتیں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک ٹیم کبھی نہیں ہو سکتے' اس لئے میرے ساتھ بار بار یہ pep talk کرنا چھوڑ دیں۔''

زمر نے گہری سانس لی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ پیچھے حنین کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''وہ میرا بیسٹ فرینڈ تھا پھپھو' آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں؟'' سر جھکائے' آنسو صاف کرتے وہ خود سے کہہ رہی تھی۔

زمر نیچے لاؤنج میں آئی تو صداقت چائے لا رہا تھا۔

''بھابھی ریسٹورانٹ چلی گئیں؟''

''جی باجی۔ ہر روز جلدی چلی جاتی ہیں اور دیر سے آتی ہیں۔ آنٹی جی کو تو چپ ہی لگ گئی ہے۔'' زمر نے جوابی تبصرہ نہ کیا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی' چائے کا کپ اٹھا لیا تبھی وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔

''تھانے سے فون آیا ہے۔ بلا رہے ہیں۔ کیا آپ چلیں گی؟'' والٹ جیب میں رکھتے اس نے پوچھا۔ زمر نے گھونٹ بھرتے ہوئے شانے اچکائے۔

''میں ایک اٹارنی ہوں' ایک نوٹس پہ ان پولیس والوں کو عدالت بلوا سکتی ہوں۔ ان کو کام ہے تو وہ ہمارے پاس آئیں۔''

(جلی رسی کا بل۔ خیر) اس نے کوٹ کا بٹن بند کرتے گہری سانس لی۔

''وہ لفٹ والا آدمی... نیاز بیگ... اسے کل رات گرفتار کرلیا گیا ہے۔ دوپہر میں آپ کو پک کرلوں گا' آپ اس سے ملنا تو چاہیں گی۔'' زمر نے چونک کر کپ نیچے کر کے اسے دیکھا۔ وہ اب ریک سے چابی اٹھا رہا تھا۔ وی گلے کی شرٹ پہ گرے کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ (جاب شروع کر لی، مگر کالر والی ڈریس شرٹ یا ٹائی پہننا تو اس کو پسند ہی نہیں ہے جیسے!) بال ذرا بڑھے تو پھر سے چھوٹے کروا لیے۔ اہل جاب کے لحاظ سے مناسب لگ رہا تھا۔ زمر نے نظریں پھیر لیں اور ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

''او کے۔''

فارس نے بس رک کر ایک نظر اس پہ ڈالی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔

.....❖❖❖.....

چلو یہ سیل بلا خیز ہی بنے اپنا ..... سفینہ اس کا، خدا اس کا، ناخدا اس کا

ہسپتال کا کشادہ اور پرتعیش کمرہ اس صبح بھی دمک رہا تھا۔ کاؤچ پہ میری بیٹھی' کتاب چہرے کے سامنے کیے ہوئے تھی۔ بستر پہ لیٹے سعدی کے بازو آزاد تھے، مگر پاؤں میں ہتھکڑی لگا کر بیڈ کے ساتھ نتھی کر دی گئی تھی۔ سر کی طرف سے بیڈ اونچا کر رکھا تھا اور وہ کھلی آنکھوں سے' پہلے سے خاصا بہتر نظر آتا' اردگرد دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں کاردار صاحب نے میری نگرانی کے لئے ادھر چھوڑا ہے؟'' دفعتاً اس نے پکارا۔ مگر میری کتاب پڑھتی رہی۔

''کیا تمہیں معلوم ہے، مجھے گولی کس نے ماری تھی؟''

میری نے صفحہ پلٹایا۔ نگاہیں صفحے پر جمی تھیں۔ وہ پلکیں سکیڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں سب معلوم ہے۔ تم بھی ان کی شریکِ جرم ہو۔''

خاموشی نے پھر سے اطراف کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دفعتاً سعدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''تمہارا بچہ کیسا ہے؟ اس کا علاج کیسا جا رہا ہے؟'' اب کے اس کا انداز دوستانہ تھا۔

میری نے پلک تک نہیں جھپکی۔ اسی طرح پڑھتی رہی۔ سعدی نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ کمرہ بالکل صاف تھا۔ اس کاؤچ اور بیڈ اور ضروری طبی اشیاء کے علاوہ اس کمرے میں کوئی بھی شے نہ رکھی تھی جو.... اس کے کسی کام آسکتی۔ کوئی کھڑکی تک نہ تھی۔

''میرے گھر والے میرے لئے پریشان ہوں گے۔ ان کو صرف اتنا بتا دو کہ میں زندہ ہوں۔'' بولتے ہوئے اس کی آواز بھر آئی۔ بہت امید سے میری کو دیکھا۔ مگر اس نے نگاہیں تک نہیں اٹھائیں۔

''مجھے کچھ چاہیے۔'' کچھ دیر بعد سعدی نے پکارا۔ میری نے فوراً چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آدھے آستین کی ہسپتال کی شرٹ میں ملبوس' تکیوں کے سہارے نیم دراز' اس کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا؟'' اس نے بے تاثر سپاٹ انداز میں دریافت کیا۔

''مجھے قرآن لا دو۔ میں اسی کو پڑھ لوں گا۔ جیسے تم بور ہو رہی ہو' ویسے ہی میں بھی بور ہو رہا ہوں۔ اتنا تو تم کر سکتی ہو میرے لئے۔''

''او کے۔ منگوا دوں گی۔'' اور دوبارہ سے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔ سعدی نے گہرے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

.....❖❖❖.....

ہر غلط بات پہ میں آپ کی کہہ دوں لبیک! ..... اس طرح خونِ صداقت نہیں کر سکتا میں

تھانے کے اس کمرے میں چوکور میز بچھی تھی۔ فارس اور زمر برابر کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ دائیں ہاتھ اے ایس پی سرمد شاہ تھا۔ سامنے بچھی کرسیوں پہ نیاز بیگ براجمان تھا۔ کندھے کرسی کی ٹیک پہ گرائے' گریبان کے بٹن کھلے تھے' سیاہ مونچھیں اور سیاہ آنکھیں تھیں جن میں زمانے بھر کی بے زاری سموئے وہ زمر کو دیکھ رہا تھا۔

''تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم نے سغدی کو گولی ماری ہے۔'' زمر نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے' ٹھنڈے انداز میں پوچھا تھا۔

منہ میں کچھ چباتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ہاں۔ اس کا ریسٹورانٹ خریدنے کی بات ہی تو کی تھی۔ آگے سے ہولا نہیں بیچنی۔ سارے لوگ شروع میں یہی کہتے ہیں۔ میں نے صرف اصرار کیا۔ دو تین دفعہ جا کر ملا بھی اس سے۔ مگر سالا غصے میں آ گیا۔ مجھے گالیاں بکنے لگا۔ سب برداشت ہوتا ہے، بی بی مگر....'' انگلی اٹھا کر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''گالی برداشت نہیں ہوتی۔ سو وہیں پھڑکا دیا اسے۔ اب جا کر اگلے جہاں میں بیچے اپنی دکان۔'' ساتھ ہی استہزائیہ سر جھٹکا۔

''اے... زبان سنبھال کر!'' وہ ذرا غصے سے آگے کو ہوا تو سرمد شاہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھمنے کا اشارہ کیا۔ زمر نے محض ایک ناپسندیدہ نظر فارس پہ ڈالی اور دوبارہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہسپتال سے کیوں غائب کیا تم نے اسے؟''

''صاف بات ہے بی بی۔ جب تک لاش نہیں ہوتی' قتل ثابت نہیں ہوتا۔ بس وارڈ بوائے کو ملایا ساتھ' اور لے گئے اسے۔ گاڑی میں ڈالا' اور کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک دیا۔ صبح جا کر دیکھا میں نے۔ نام و نشان تک نہ تھا۔ خلاص۔'' بے پروائی سے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔ فارس بہت ضبط سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اتنی ہی ٹھنڈی تھی۔

''کون سی گالی دی تھی اس نے؟''

''آہ... کیا دہراؤں اب؟'' اس نے تلخی سے ہنس کر سر جھٹکا۔ اے ایس پی کے ابرو بھنچے۔ ''حد میں رہ کر بات کرو نیاز بیگ۔''

''تو بی بی کو منع کرو نا۔ کیوں میرا منہ کھلوانا چاہتی ہے۔''

''میں نے پوچھا...'' زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی آگے ہوئی۔ ''کون سی گالی دی تھی اس نے؟''

''دہرا دیتا ہوں مگر تمہارے بندے کو اچھا نہیں لگے گا۔'' استہزائیہ زہریلی مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے فارس کو دیکھا جو اتنے ہی غصے سے اسے گھور رہا تھا۔ اور پھر اس نے تین چار اردو کی گالیاں دہرا دیں۔ میز پہ رکھی فارس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''اور کتنی دفعہ دیں اس نے یہ گالیاں؟'' زمر کا چہرہ ویسا تھا۔

''چار ایک بار تو دی تھیں۔ تبھی اسے خلاص کرنا پڑا۔''

''اور یہ سب کہنے کے کتنے پیسے دیے گئے ہیں تمہیں؟'' وہ خود کو بولنے سے روک نہیں سکا۔ زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ (فارس کو برداشت کرنا، نیاز بیگ کو برداشت کرنے سے زیادہ مشکل تھا۔)

نیاز بیگ کے چہرے کے اطمینان اور استہزاء میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''نیاز بیگ کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پہ بولا ہے سب کیونکہ ابھی وہ افسر پیدا نہیں ہوا جو چار دن سے زیادہ...'' انگوٹھا بند کر کے چار انگلیاں دکھائیں۔ ''... نیاز بیگ کو حوالات میں رکھ سکے۔ اس لئے اپنی وکالت عدالت میں کرو بی بی۔ میرے پر یہ سکہ نہیں چلنے والا۔'' مسلسل منہ میں کچھ چباتے' وہ پیچھے ہو کر بیٹھا اور ایک طنزیہ مسکراتی نظر زمر پہ ڈالی۔ ''ویسے وہ تمہارا بھتیجا تھا کیا؟ چچ چچ... بہت رویا تھا بچہ جب گولی لگی۔ بالکل لڑکیوں کی طرح۔''

''بس' بہت ہو گیا۔'' سرمد شاہ فارس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا، (اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر نیاز بیگ کا گریبان پکڑ لے)

اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ہتھکڑیاں لگے نیاز بیگ کو اندر لے گئے۔ دروازے میں گم ہونے سے قبل اس نے مسکراتے ہوئے پیچھے زمر کو دیکھتے' منہ سے وہ تنکا تھوک کر پرے پھینکا تھا۔

''اس ساری بکواس کا کیا مطلب تھا؟ یہ شخص....'' اس کے جاتے ہی وہ ایک دم جیسے کھول کر کہنے لگا تھا' مگر اسی پل زمر نے (میز کے نیچے سے) جوتی کی ہیل اس کی پنڈلی پہ زور سے ماری۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے اے ایس پی کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے تعاون کا شکریہ۔ اس سے وہ جگہ معلوم کرنے کی کوشش کیجئے جہاں اس نے باڈی پھینکی تھی۔ کوڑا کون اٹھاتا ہے' ٹرک کہاں جاتے ہیں' آپ بس ہمیں باڈی ری کور کر کے دے دیں' اور اس شخص کو اس کی سزا دلوا دیں' اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' اس کے انداز پہ وہ خون کے گھونٹ بھر کر خاموش ہو گیا۔ وہ اب پرس اٹھا کر کھڑی ہو رہی تھی۔

''ہم باڈی ری کور کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ پھر' مجھے بہت افسوس ہے۔'' سرمد شاہ سر کو خم دے کر' تعزیت کرتے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھا۔

''آپ کا بہت شکریہ۔ جو اللہ کی مرضی۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔'' وہ مڑی اور ایک تیز نظر فارس پہ ڈالتی باہر نکل آئی۔

گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی۔ وہاں جانے تک اس نے بمشکل ضبط کیا تھا' مگر چابی دروازے میں گھساتے ہوئے وہ طیش سے زمر کی طرف گھوما۔

''وہ شخص میرے سامنے....''

''فارس غازی' وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں' تماشہ مت بناؤ۔ گھر جا کر بات کرتے ہیں۔'' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے وہ تلخی سے بولی اور موبائل پہ ایک نمبر ملانے لگی۔ وہ اندر ہی اندر کھولتا' ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اور زور سے دروازہ بند کیا۔

.....❖❖❖.....

مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے ..... میری عمر بھر کی جو پیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

حنین اور ندرت کے کمرے میں وہی بے رونقی چھائی تھی' اور وہ گم صم سی بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سیم اندر آیا اور دھپ سے ساتھ آ گرا۔

''حنہ'' چت لیٹے چھت کو تکتے پکارا۔ ''آج میں نے اسکول سے چھٹی کی اور امی نے پوچھا بھی نہیں۔ پہلے یاد ہے کبھی چھٹی نہیں کرنے دیتی تھیں۔ میں بغل میں پیاز رکھ کر سو جاتا کہ شاید صبح بخار ہو جائے مگر نہ بخار ہوتا' نہ امی مانتیں۔ اور اب تو وہ بولتی ہی نہیں ہیں۔''

حنین گھٹنوں پہ گال رکھے خاموش بیٹھی رہی۔

''یاد ہے حنہ' تھنڈر کیٹس میں بھی' مرا' یا اس کا کوئی ساتھی کسی تھنڈر گیٹ کو اغوا کر لیتا یا نقصان پہنچاتا تو آخر میں باقی کیٹس اس کو بچا لیتے تھے اور سب صحیح ہو جاتا تھا۔ کیا ہمارا بھائی بھی واپس آ جائے گا؟''

''ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ ہمارا مرا کون ہے۔ اور جو اسے ڈھونڈنے کے لئے بظاہر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں' ان کو بھی کچھ نہیں پتہ۔'' وہ خفگی سے بولی۔ ''ماموں بھی بدل گئے ہیں۔ پھپھو بھی بدل گئی ہیں۔''

سیم کہنی کے بل بیٹھا اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم بدل گئی ہو!''

حنین نے گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی۔ ''جاؤ' مجھے پڑھنے دو۔'' اور خلاف معمول وہ بنا چوں چرا کیے باہر نکل گیا۔ پھر وہ اٹھی' اور سائیڈ ٹیبل پہ دھری سفید جلد والی کتاب اٹھائی۔ گھٹنوں پہ رکھ کر بے دلی سے صفحے پلٹانے لگی....

دروازہ کھلا تو تیز روشنی اڈاڈکر آنکھوں کو چندھیا گئی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے قدم قدم چلتی آگے آئی تو دیکھا' اس کے اردگرد

قدیم دمشق کی ایک روشن دوپہر آباد تھی۔ ہر شے زردی میں لپٹی تھی۔ مگر پہلے کے برعکس' وہ بے دلی سے سر جھکائے' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی پتھریلے راستے پہ آگے بڑھتی گئی۔ دھول جوتوں کو آلودہ کرتی گئی۔ جب چہرہ اٹھایا تو مسجد سے ملحقہ حجرہ سامنے تھا اور ایک طرف درخت تلے وہی بدھوں کا سا پنجر آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی مردنی اور ویرانی ہنوز برقرار تھی۔

آج چھوٹی دیوار کے ساتھ شیخ کھڑے تھے۔ پیر تک آتا سفید چمکدار لباس پہنے' مسکراتے ہوئے۔ وہ بنا مسکرائے قریب آرکی۔

''کیا آپ نے اس بیمار کو ابھی تک شفایاب نہیں کیا؟''

''بیمار خود کوشش نہ کرے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔''

وہ کچے راستے پہ چلنے لگے تو وہ بھی سر جھکائے' بددلی سی ساتھ ہولی۔

''تم کیوں اداس ہو؟''

''میرا بھائی کھو گیا ہے' اور میں دن رات اس کے لئے دعا کرتی ہوں۔ مگر میں سوچتی ہوں' کہ جو مقدر میں لکھا ہے وہ تو ہو جائے گا' جو نہیں لکھا وہ نہیں ہوگا' پھر بندہ دعا کیوں کرتا ہے؟''

دھول سے اٹے راستے پہ وہ دونوں آگے چلتے جا رہے تھے اور وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔'' چلتے چلتے شیخ نے ایک طرف اشارہ کیا تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ سڑک کنارے' بازار میں' ایک قہوہ خانے کے باہر چوکیوں پہ چند لوگ بیٹھے تھے' اور بلند آواز میں بحث کر رہے تھے۔

''جو مقدر میں ہے' وہ ملے گا' جو نہیں مقدر' وہ نہیں ملے گا' سو سوال کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔'' ان میں سے ایک کہہ رہا تھا اور باقی سر دھن رہے تھے۔ حنین نے الجھی ہوئی نگاہیں اٹھا کر شیخ کو دیکھا۔ وہ مسکرائے۔

''یہ کہتے ہیں' دعا کرنے یا نہ کرنے کا کیا فائدہ؟ سب کچھ تو لکھا جا چکا۔ مگر یہ ان کی جہالت ہے اور اپنے مسلک میں یہ خود تضاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو پھر ان سے پوچھو' اگر سیرابی تمہارا مقدر ہے' تو پانی پیو یا نہ پیو' پیاس بجھ جائے گی۔ کھیتی مقدر ہے تو دانہ ڈالو یا نہ ڈالو اناج' اُگ ہی جائے گا۔ تو پھر کھاتے پیتے کیوں ہو؟ دانے بوتے کیوں ہو؟'' وہ قدم بڑھاتے گئے اور حنین ان کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ قدیم بازار میں لوگوں کی بھیڑ سے شور' آوازیں' قہوے کی مہک' سب خلط ملط ہو رہا تھا۔

''اور ان کو دیکھو۔'' ذرا رک کر انہوں نے چند نوں سے ایک کھلے خیمے کی طرف اشارہ کیا جہاں اندر فرشی نشست بچھائے چند لوگ بیٹھے تھے۔ ان کے سروں پہ مخصوص ٹوپیاں تھیں اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

''یہ کہتے ہیں' دعا تو بس عبادت ہے' ثواب کا ذریعہ۔ نیکی اور بدی تو لکھی جا چکی' تو دعا کرنا بس نیکی کی نشانی ہے' اور عذاب پانا' کفر کی علامت ہے۔ نہ نیکی خیر کا سبب ہے۔ نہ عذاب کفر کی وجہ ہے۔ دعا صرف ثواب کے لئے کرو ورنہ ہونا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ جس نے اس گھڑی مرنا ہے' اب وہ خودکشی کرے' طاعون سے مرے' یا اسے قتل کیا جائے' سب برابر ہے' مگر نہیں۔'' شیخ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ بھی غلط ہیں۔''

''تو پھر صحیح کون ہے؟'' وہ پست آواز سے' اور چہرے پہ تکان لئے' پوچھنے لگی۔ شیخ دوبارہ چلنے لگے تھے۔ حنہ کے پیر دھول میں اٹے جا رہے تھے۔

''یہ ہیں وہ جو صحیح ہیں۔'' انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا تو حنین نے دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ ایک درخت تلے چادر بچھا کر چند لڑکے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ان کا معلم ان کو سامنے چوکی پہ براجمان تھا۔

''یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام تب ہوتا ہے جب اس کے لئے اسباب اختیار کیے جائیں' اور دعا ان اسباب میں سے ایک ہے۔ سیرابی

کھانے پینے کے ساتھ ہے' کھیتی' دانہ بونے کے ساتھ ہے' اور جانور کی جان نکلنا ذبح کرنے کے ساتھ ہے۔ اور وہ جو بیمار تم نے دیکھا' وہ یہی بات نہیں سمجھ پا رہا کہ اسباب میں سب سے طاقتور سبب دعا ہے۔''

وہ اب رکے' اور اپنے قدموں پہ واپس جانے لگے۔ تھکی تھکی سی حنہ بھی ساتھ پلٹی۔

''اور جو دعا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے' وہ؟''

''کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔ فتح کثرت افواج سے نہیں ملتی' آسمانوں سے مدد کی صورت اترا کرتی ہے۔ جو اللہ سے نہیں مانگتا' اللہ اس پہ خفا ہوتا ہے' پس تم دوسروں کے ساتھ جتنی بھلائی کرو گی' اتنا ہی اللہ تمہیں عطا کرے گا۔ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر یونس علیہ السلام' خدا کی تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس دن تک کہ جب لوگ کھڑے کیے جائیں گے' مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔''

''مگر شیخ' جب دعا سب سے طاقتور ہتھیار ہے تو دوسری چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے دعا کی بھائی ٹھیک ہو جائے' وہ ہو گیا۔ میں نے دعا کی وہ مجھ پہ خفا نہ ہو اور وہ بات بھی سنبھل گئی۔'' وہ تپتی دوپہر میں کچے راستے پہ چلتی کہہ رہی تھی۔ ''دعا کافی ہے نا پھر تو۔''

''یہ توکل نہیں' کاہلی ہے۔ بے عملی ہے۔ جہالت ہے۔ عقلمند وہ ہے جو تقدیر کو تقدیر سے توڑے' اور تقدیر کے مقابلے میں تقدیر کو ہی لا کھڑا کرے۔''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''مطلب یہ ہے لڑکی کہ اسباب بھی قدرت نے دیے ہیں اور پریشانیاں بھی۔ ان کو آپس میں لڑا دو اور آسمانوں سے مدد کی دعا کرو۔ اور سنو۔ قرآن پڑھا کرو۔ اس میں ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔''

مسجد آ گئی تھی اور وہ بیمار ہنوز درخت تلے بیٹھا تھا۔ اکڑوں' سر گھٹنوں پہ رکھے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ لاغر اور مایوس سا وجود۔ اس نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

''امام کو کیا معلوم میرے مسئلوں کا! ایک سات صدیوں پہلے کے نائیو بوڑھے امام کو کیا معلوم؟''

شیخ وہیں مسجد کے پاس کھڑے رہ گئے۔ اور وہ مدرستہ الجوزیہ (School of Jauzwiya) سے' دور' بہت دور' صدیوں کی مسافت طے کرتی چلتی گئی۔

.....❖❖❖.....

وہ تو زخموں کو نمکدان بنا دیتے ہیں ..... دل کے زخموں پہ سیاست نہیں کر سکتا میں

دوپہر ہنوز جھلس رہی تھی جب فارس نے کار ایکسی کے سامنے سبزہ زار پہ روکی اور ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ وہ موبائل کان سے لگائے دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

''وہ نہیں اٹھائے گا فون۔ چھوڑ دیں اس انویسٹی گیٹر کا پیچھا۔ اب باس نہیں ہیں آپ اس کی۔'' زمر نے زور سے فون پرس میں پٹخا۔ پیشانی پہ بل لیے' وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی تھی۔

''اس شخص کا منہ توڑنا تھا میں نے' مگر آپ کی وجہ سے چپ رہا اور وہ اے ایس پی۔ وہ سب ایک ساتھ ملے ہوئے ہیں' کیا ضرورت تھی اس کے سامنے خاموش رہنے کی۔''

''مجھ پہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری کوئی ملازمہ نہیں ہوں۔'' وہ ناگواری سے اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔ ''میں نے نہیں کہا تھا مجھے تمہاری ضرورت ہے' تم نے کہا تھا کہ ہم ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ اگر میرے ساتھ کام نہیں کرنا تو جہنم میں جاؤ میری طرف سے۔ میں اپنے بچے کو اکیلے ڈھونڈ لوں گی۔ لیکن اگر میرے ساتھ کام کرنا ہے تو سب میرے طریقے سے ہوگا۔''

''وہ میرے سامنے اتنی بکواس کرتا رہا اور میں سنتا رہا۔لعنت ہے مجھ پہ۔''اس نے غصے سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔زمر نے بے اختیار کنپٹی کو مسلا۔

''فارس تم مجھے مزید ٹینشن دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔مجھے بھی پتہ ہے کہ کون کس کے ساتھ ملا ہوا ہے،مگر بات بات پہ اگلے کا گریبان پکڑنے اور دانت توڑنے کے علاوہ بھی بہت طریقے ہوتے ہیں۔مگر میں بھی کسے بتا رہی ہوں۔''سر جھٹک کر وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی جہاں سبزہ زار اور انیکسی دکھائی دے رہی تھی۔

فارس نے تپ کر اسے دیکھا۔''تو اب کیا ہوگا؟ وہ تو اصل مجرموں کو کور کر گیا ہے۔کل کلاں ضمانت پہ رہا ہو جائے گا۔اور وہ اے ایس پی ایس پی بن جائے گا۔ایسے ملے گا ہمیں سعدی؟''

''میرا اس اے ایس پی کے ساتھ ایک ورکنگ ریلیشن ہے' تم اپنے غصے میں اندھے ہو کر اسے خراب نہ کرو' یہ میری درخواست ہے۔''

''مجھے ایک گھنٹہ مل جائے اس نیاز بیگ کے ساتھ' میں دیکھتا ہوں وہ کیسے سب نہیں بکتا۔''

''کیا بتائے گا وہ؟ اس کو کچھ بھی نہیں پتہ۔اگر پتہ ہوتا تو سرمد شاہ اسے ہمارے سامنے نہ لاتا۔یہ فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔''وہ دوبارہ سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگی۔جھنجھلاہٹ اور اکتاہٹ اس کے چہرے پہ بکھری تھی۔فارس چہرہ اس کی طرف موڑے اسے دیکھنے لگا۔وہ نمبر ملاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔''مجھے پتہ تھا تم کام بنانے کی بجائے صرف بگاڑو گے۔تم سے کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔اندر اٹھتا ابال ذرا کم ہوا۔چہرے کی رنگت نارمل ہونے لگی' پھر اس نے گہری سانس لی۔

''آپ کو کیا چاہیے؟''زمر نے فون کان سے لگاتے ہوئے اکتاہٹ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''انویسٹی گیٹر کو کیوں کال کر رہی ہیں؟ کیا چاہیے آپ کو؟''اس نے دہرایا۔

''ایسے مت پوچھو،جیسے تم میرا کوئی کام کر سکتے ہو۔''بے زاری سے اس نے فون ہٹایا اور لاک کھولا۔

''ایک آدمی ہراس کر رہا تھا آپ کو' پھر آپ نے مجھے بتایا۔کیا دوبارہ اس نے کبھی تنگ کیا آپ کو؟''زمر کے دروازہ کھولتے ہاتھ تھمے' چونک کر اس نے فارس کو دیکھا۔

''دو تین دفعہ آپ نے کچھ لوگوں کے بینک اکاؤنٹس اور بیک گراؤنڈ چیک کرنے کے لئے کہا تھا' میں نے وہ کر کے دیا تھا یا نہیں؟''وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔زمر کے ابرو مشتبہ انداز میں اکھٹے ہوئے۔

''تب تم قاتل نہیں تھے۔''

''میں نے پوچھا' آپ..کو...کیا چاہیے؟''ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔نظریں ابھی تک اس کی آنکھوں پہ تھیں۔

''تم کیا کر سکتے ہو میرے لئے؟ اس نیاز بیگ کا بیک گراؤنڈ چیک کر سکتے ہو؟ اس کا پولیس ریکارڈ' مالی حالات' خاندانی حالات' ڈیلنگز' مجھے ہر چیز چاہیے' وہ بھی جو اس کو خود بھی نہ معلوم ہو۔اگر میرا انویسٹی گیٹر ہوتا تو کل شام سے پہلے ہر چیز میری ٹیبل پہ ہوتی۔بولو' تم کر سکتے ہو؟''درشتی سے چبا چبا کر بولتی' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر اس نے دروازہ کھولا تو سنا۔

''کل دوپہر سب آپ کی ٹیبل پہ ہوگا۔''وہ نکلی تو وہ زن سے کار آگے لے گیا۔زمر نے مڑ کر برہمی سے اسے دیکھا۔''بدتمیز۔''انگلی سے چہرے پہ آئی لٹیں ہٹائیں اور انیکسی کی طرف قدم اٹھانے لگی۔تبھی عقب میں آواز آئی۔

''ہیلو ڈی اے۔''وہ گھومی۔

قدرے جھنجھلایا' قدرے جھجکتا سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' اسے دیکھا' اور پھر مڑ کر ایک خفا نظر

عقب میں برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات پہ ڈالی۔

''اوہ نوشیرواں۔آپ کو بہت عرصے بعد دیکھا ہے۔'' وہ خود کو پرسکون کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں دبئی گیا ہوا تھا۔کل واپس آیا ہوں۔ممی نے بولا کہ....'' ایک بے زار نظر پھر دور بیٹھی جواہرات پہ ڈالی جو ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔''آپ سے تعزیت کرلوں۔''

''تعزیت؟'' زمر کے دل کو دھکا سا لگا۔ابرو بھنچ گئے۔

''مطلب وہی...سعدی کے لئے۔مجھے بہت....بہت افسوس ہے۔''

''تھینک یو نوشیرواں' مگر وہ زندہ ہے اور ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔'' قدرے خشک انداز میں بولی۔نوشیرواں کی گردن میں کوئی پھندا سا پھنسنے لگا۔

''ہاں شیور کیوں نہیں۔مجھے بہت افسوس ہے ویسے۔'' جلدی سے بات سنبھالی۔''مگر یہ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟''

''پولیس ان کو ڈھونڈ رہی ہے' جلد پتہ چل جائے گا۔''

''آپ کو کسی پہ شک نہیں؟'' اس نے غور سے زمر کا چہرہ دیکھتے پوچھا۔

(ہاشم سامنے ہوتا تو اس سوال پہ اسے ایک تھپڑ تو لگا ہی دیتا۔)

''آپ بتائیں' آپ کو کس پہ شک ہے؟ آپ کا تو وہ فرینڈ تھا۔اس کے سوشل کانٹیکٹس کو آپ جانتے ہوں گے نا۔''

''نہیں...مجھے کیا پتہ۔میں تو کافی دن سے اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ان فیکٹ میں تو اس واقعے سے ایک دن پہلے دبئی چلا گیا تھا۔مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں اس کے پاس اس مشکل وقت میں نہیں تھا۔'' بظاہر لاپرواہی سے شانے اچکائے مگر اندر سے اس کا سانس خشک ہونے لگا تھا کیونکہ وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جی مجھے پتہ ہے آپ تب دبئی میں تھے' اٹس اوکے۔ہاشم نے بتایا تھا۔'' وہ بات ختم کر کے مڑنے لگی' مگر ایک دم رکی۔چونک کر اسے دیکھا۔

''سعدی کے واقعے سے ایک دن پہلے' مطلب میری شادی والے دن آپ دبئی گئے ہوئے تھے؟ بیس تاریخ کو؟''

''جی۔اور سوری' بھول گیا۔شادی کی مبارک ہو آپ کو۔''

زمر نے بے اختیار پیچھے اس کے کمرے کی بالکونی کو دیکھا جہاں شیشے کے دروازے کے پیچھے وہ اکیس تاریخ کی صبح اسے کھڑا نظر آیا تھا' پھر اسے دیکھا۔آنکھیں سکیڑ کر۔(یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟ یا اتنے دن گزر جانے کے باعث یہ تاریخوں کو مکس اپ کر رہا ہے؟ یا شاید اس نے اتنے دن مجھ سے افسوس نہیں کیا' اس لیے بہانہ گھڑ رہا ہے۔اسٹوپڈ!)

''اوکے۔ڈی اے۔آپ کا دن اچھا گزرے۔''

زمر نے سر جھٹکا۔''میں پبلک پراسیکیوٹر نہیں ہوں اب۔'' محض اتنا بتا کر وہ پلٹ گئی۔نوشیرواں نے شانے جھٹکے اور واپس ہولیا۔

لبوں میں سیٹی بجاتا وہ جواہرات کے ساتھ کرسی پہ دھپ سے آ گرا تو اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ڈھنگ سے افسوس کیا یا نہیں؟''

''ہاں' کرلیا۔'' اس نے ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی جواہرات نے رس بھرا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''شیرو کیا مسئلہ ہے؟ تم دونوں بھائی مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟''

''اوہ ممی' بس کردیں۔'' وہ بے زار ہوا۔'' آپ کو بتائے بغیر کیا چلا گیا' تب سے تفتیش کر رہی ہیں۔''

''کوئی تو بات ہے۔ سعدی والے معاملے سے اگر تم لوگوں کا کوئی تعلق ہے تو مجھے ابھی بتا دو۔''

''مجھے نہیں پتہ یہ سعدی والا معاملہ بھئی! میں تو دبئی میں تھا' مگر بہت خوشی ہوئی۔ زندگی سے ایک مسئلہ تو کم ہوا۔ اندر جا رہا ہوں' آپ بیٹھیں اتنی گرمی میں باہر۔'' منہ کے زاویے بگاڑتا' وہ اٹھا اور بیرونی زینے کی طرف بڑھ گیا (جو اوپر اس کے کمرے کی بالکونی تک جاتا تھا) جواہرات سوچ میں گم اسے جاتے دیکھے گئی۔

.....❖❖❖.....

تحریر بیچ کر تو کبھی بات بیچ کر ..... پاتے ہیں رزق صورتِ حالات بیچ کر

اگلی سہہ پہر پہلے سے بھی زیادہ گرم تھی۔ یہ شعبان کے آخری ایام تھے اور شہر بھر میں مصروفیت بڑھ سی گئی تھی۔ ایسے میں اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے آفسز میں بھی معمول کی چہل پہل جاری تھی۔

ہاشم کاردار کے آفس کے باہر بیٹھی سیکرٹری' لنچ بریک کے دوران' ایک ہاتھ میں سینڈوچ لئے' دوسرے میں میگزین پکڑے' قدرے تعجب سے پڑھتی جا رہی تھی۔ تبھی انٹر کام بجا تو وہ میگزین پہ سینڈوچ بیگ رکھ کر' فوراً متوجہ ہوئی۔

''جی سر؟ اوکے!'' ریسیور رکھ کر اٹھ گئی۔ اس کے سینڈوچ بیگ تلے میگزین کا آدھا صفحہ دکھائی دے رہا تھا۔ شہہ سرخی واضح تھی۔

''نیسکام کے نوجوان سائنسدان اور تھرکول کے سینئر انجینئر کو لاپتہ ہوئے پندرہواں روز ہو گیا۔'' ساتھ میں آدھی ڈھکی تصویر بھی جھلک رہی تھی۔ گھنگریالے بالوں والا لڑکا مسکراتا ہوا...

حلیمہ نے آفس کا دروازہ دھکیلا تو منظر سا کھلتا گیا۔ چوڑی میز کے پیچھے ہاشم' بغیر کوٹ کے بیٹھا' فون پہ بات کر رہا تھا' اور سامنے کرسی پہ خاور بیٹھا ایک فائل کے صفحے پلٹا رہا تھا۔

ہاشم نے انگلی سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا' پھر فون پہ ہنس کر کسی کو الوداعی کلمات کہے' پھر اسے دیکھتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔'' حلیمہ' وہ لیٹرز مجھے ابھی لا دو' میں سائن کر دیتا ہوں۔ پھر مجھے نکلنا ہوگا۔''

''او کے سر!'' وہ چپ ہوئی۔ قدرے تذبذب سے رکی۔'' سر میں نے ابھی میگزین میں دیکھا' آپ کا وہ فرینڈ' سعدی یوسف... وہ مسنگ ہے۔'' صفحے پلٹتے خاور نے ایک دم مڑ کر اسے دیکھا' اور دوبارہ فون اٹھاتے ہاشم نے بالکل ٹھہر کر' پھر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہاں' وہ تو کافی دن سے مسنگ ہے' ہم سب' اس کے دوست اور خاندان والے بہت اپ سیٹ ہیں اس کے لئے۔'' ہاشم بولا تو لہجے سے فکرمندی جھلکتی تھی۔

''اوہ آئی ایم سوری سر! اکیس مئی کو وہ آیا تھا ادھر' اور کسے پتہ تھا کہ اسی رات...'' وہ تاسف سے بول رہی تھی اور ہاشم کی گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح دکھائی دی۔

''(کسے پتہ تھا!) خاور چونکنے انداز میں ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم ذرا کھنکھارا۔

''حلیمہ' تم نے اس ہفتے بہت دفعہ کال کی تھی اسے' کیا پولیس نے تم سے کچھ پوچھا اس بارے میں؟''

وہ ٹھٹک کر رکی' آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔''نہیں سر!''

''دراصل پولیس اس کی گرل فرینڈ کو ڈھونڈ رہی تھی' وہ بھی مسنگ ہے' اور تمہاری کالز کی وجہ سے انہوں نے مجھ سے تفتیش کی تھی' مگر میں نے انہیں تسلی کروا دی کہ تمہارا اس سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ (خاور نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ نیچے کر لیا۔)

''نہیں سر' میں تو اسے جانتی بھی نہیں۔'' وہ ایک دم حیران پریشان نظر آنے لگی۔

''ہاں میں نے بھی انہیں یہی کہا کہ تمہاری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور کالز بھی تم نے نہیں، میں نے کی تھیں آفس سے' وہ مشکوک تھے' ان کو بس کسی لڑکی کا چہرہ چاہیے اس مسنگ گرل فرینڈ کے ساتھ فٹ کرنے کے لئے' مگر تم فکر مت کرو' ہاشم کاردار کی سیکرٹری کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ میں سنبھال لوں گا۔'' رسان سے اس کی تسلی کرائی۔

''تھینک یو سر!'' وہ ذرا پریشان' ذرا ممنون سی واپس پلٹی۔ اپنے ڈیسک پہ آ کر اس نے کسی کراہیت بھری شے کی طرح وہ میگزین موڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا اور سینڈوچ لے کر واپس کمپیوٹر پہ بیٹھ گئی۔ (اُف۔) ساتھ ہی جھرجھری لی۔

اندر خاور نے ستائشی مسکراہٹ سے سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔

''اب یہ قیامت تک سعدی کا ذکر نہیں کرے گی۔''

اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔'' پھر ذرا آگے کو ہوا۔ ''اس شخص کا کچھ پتہ چلا جو موقع پہ موجود تھا؟''

''مجھے یہ ایک واہمے سے زیادہ کچھ نہیں لگتا۔ اگر وہاں کوئی انجان شخص ہوتا تو گواہی کے لئے آگے آتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ بالفرض اگر وہ سعدی کا کوئی جاننے والا تھا تو اس سنسان گلی میں کیا کر رہا تھا؟ یقیناً سعدی نے ہی اسے بلایا ہوگا۔ میں نے اس کا سارا کال ریکارڈ چیک کیا ہے' اس نے ہمارے آفس سے جانے کے بعد کوئی کال نہیں کی۔ سو یہ ممکن نہیں کہ وہاں کوئی ہو۔'' مگر ہاشم کی آنکھوں میں تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔

''پولیس کو کس نے بلایا؟''

''ہمسائیوں میں سے کس نے فون کیا تھا' انہوں نے اس کی چیخیں سنی تھیں۔ پولیس کو معلوم نہیں تھا' مگر میں نے زمر صاحبہ سے پوچھا تھا' وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سعدی کے محلے کی کوئی خاتون ہیں' اور زمر کی ان سے بات ہوئی ہے' انہوں نے بھی کچھ نہیں دیکھا۔''

ہاشم نے گہری سانس لی' پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔

''اس کے کال ریکارڈز وہ لوگ بھی نکلوائیں گے۔''

''حلیمہ نے اپنے نمبر سے کوئی کال نہیں کی' آپ کے ڈیسک فون سے کی تھی اور وہ آپ کا دوست تھا' کوئی شک نہیں کرے گا۔''

''اس کے فون سے کچھ نہیں ملا؟''

''اونہوں۔ صفاچٹ۔ اسے شاید ڈر تھا کہ ہم اس کا فون بگ نہ کر رہے ہوں' اس لئے وہ اس میں کوئی پرخطر شے نہیں رکھتا تھا۔ بہر حال وہ مکمل طور پہ تباہ کر کے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ کسی کو نہیں ملے گا۔ جیسے وہ خود کسی کو نہیں ملے گا۔''

ہاشم کے چہرے پہ ایک عجیب سا احساس ابھرا۔ اس نے خاور کی طرف دیکھا اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔

''کیسا ہے وہ؟''

''ری کور کر رہا ہے۔ جلد شفٹ کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور...'' وہ رکا۔ ''وہ پڑھنے کے لئے قرآن مانگ رہا تھا۔''

''دے دو۔'' ہاشم نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے قدرے تکان سے کہا۔ خاور کو بے چینی ہوئی۔

''ہمیں اس کو ہسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا۔ اس کو زندہ چھوڑ کر آپ غلطی کر رہے ہیں۔''

''خاور! ہم یہ موضوع ختم کر چکے ہیں۔'' خاور سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے ہمیشہ سوچا سر' کہ جب نجومی کہہ دے کہ اس سال میں پیدا ہونے والے لڑکے کو مار دینا بہتر ہے' تو نیل میں تیرتے

صندوق کو ڈبو دینے کی بجائے' اسے اپنے پہلو اور دل میں جگہ دینے کا غلط فیصلہ انسان سے کون کرواتا ہے؟ مگر کچھ دن سے مجھے لگنے لگا ہے کہ واقعی' محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ خیر۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''مسز کاردار مجھ سے بار بار اشاروں کنایوں میں وہ پوچھ رہی ہیں جو آپ انہیں نہیں بتانا چاہ رہے۔ اس بارے میں غور کیجئے گا۔''

وہ چلا گیا اور ہاشم قلم انگلیوں میں گھماتا' سوچ میں ڈوبا بیٹھا رہا۔

.....❖❖❖.....

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں ..... لیوے نہ کوئی نام، ستمگر کہے بغیر!

''فوڈ لی ایور آفٹر'' ریسٹورانٹ کے اندر اس سہ پہرا کا دکا لوگ ہی موجود تھے۔ کونے کی ایک میز پہ زمر کاغذات پھیلائے بیٹھی تھی۔ اس نے زرد پھولدار جوڑا پہن رکھا تھا' اور بال آدھے کیچر میں باندھے' سر جھکائے' صفحے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی ندرت کو بھی دیکھ لیتی جو رجسٹر چیک کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے اور چہرہ زرد تھا۔

''بھابھی' ہم اسے بہت جلد ڈھونڈ لیں گے۔'' ہلکا سا مسکرا کر زمر نے ان کو پکارا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھے بنا سر ہلایا۔ زمر کی مسکراہٹ مدھم ہوگئی۔ ندرت اب زیادہ بات نہیں کیا کرتی تھیں۔

زمر روز ادھر ہی ہوتی مگر آج خلافِ معمول حنین بھی ساتھ آئی تھی۔ البتہ اس کے قریب نہیں بیٹھی۔ کچن میں کھڑی رہتی یا کبھی باہر آ جاتی۔

''حنہ۔ کیا تم مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ کا پاسورڈ کھول کر دے سکتی ہو؟'' زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ کچن کے دروازے پہ کھڑی تھی اس کی بات پہ مڑ کر اسے دیکھا۔

''مجھے نہیں آتے یہ کام۔'' اور رخ پھیر لیا۔

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے۔''

''لیپ ٹاپ سے کیا ملے گا؟ کال ریکارڈ سے بھی تو کچھ نہیں ملا۔'' وہ خفگی سے اس کی طرف پشت کیے بولی تھی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''کیا تم نے اپنی دوستوں سے پتہ کیا؟ کس کے بھائی نے بتائی تھی سعدی کو وہ بات؟''

''ناعمہ کے بھائی نے بتایا ہوگا۔ اب وہ کوئی مانے گی تھوڑی؟''

''اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ ڈاکٹر سارہ سے پوچھو' نیسکام میں حلیمہ نامی سیکرٹری کس کی ہے؟''

زمر کے پاس ان کاموں کی ایک لمبی فہرست تھی جو اس نے حنین کو دیے تھے اور جو حنین نہیں کر کے دے رہی تھی۔ اس بات پہ تنک کر پلٹی۔

''سارہ خالہ ابھی تک تھر میں ہیں' کہہ رہی تھیں واپس آ کر پتہ کریں گی اس سیکرٹری کا۔ وہ خود اتنی پریشان اور شاکڈ ہیں بھائی کے لئے۔ کہہ رہی تھیں' فیلڈ پہ بھی سب بہت اپ سیٹ ہیں بھائی کی وجہ سے۔ اب بار بار کیا تنگ کروں ان کو؟''

زمر نے نفی میں سر ہلاتے گہری سانس خارج کی اور واپس کاغذات کی طرف متوجہ ہوئی۔ تبھی سامنے دروازہ کھلا اور کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی میز کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''میم' السلام وعلیکم۔'' زمر نے سر اٹھایا۔ احمر سامنے کھڑا تھا۔ تذبذب' اور فکرمندی سے اسے دیکھتا۔

''وعلیکم السلام۔ بیٹھئے۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر کچھ صفحے نکال کر دوسری فائل میں لگانے لگی۔

''آ....وہ....میں نے آپ کو ابھی کال کیا تھا' آپ نے بتایا آپ ادھر ہیں۔'' کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے اس نے یاد دلایا۔(چڑیل کا کیا بھروسہ۔)

''ہوں۔کافی جلدی مل گیا آپ کو ایڈریس۔''

''نو پرابلم۔میں پہلے بہت آچکا ہوں ادھر۔سعدی کے ساتھ۔اوہ...مجھے بہت افسوس ہے اس کے لئے۔''جلدی سے آگے ہو کر وہ تاسف سے کہنے لگا۔''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا ہوگا۔اگر میں کچھ کر سکوں اس کے لئے تو پلیز بتایئے۔''

''آپ کے خیال میں اس کے ساتھ یہ کس نے کیا ہوگا؟''وہ کاغذات سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ.....''وہ رکا'ہچکچاہٹ سے کنپٹی کھجائی۔''کورٹ میں ایک جج ہے'سعدی نے اس جج کو...''

''اسٹاپ!''زمر نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر اور آنکھیں نکال کر اسے روکا۔وہ ٹھہرا اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہم اس بارے میں بات نہیں کر رہے'اوکے!''اسے گھور کر'بظاہر ٹھنڈے انداز میں کہا۔وہ ذرا الجھا۔''مگر آپ میری بات تو سن لیں۔''

''احمر'اگر مجھ سے کورٹ میں پوچھا گیا کہ ہم نے ایسی کوئی بات کی ہے یا نہیں'تو میں اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بول سکتی'اس لئے'ہم ایسی کوئی بات نہیں کر سکتے۔اوکے!''ابرو اٹھا کر سختی سے جتایا۔احمر کا منہ کھل گیا۔

''آپ جانتی ہیں کہ غازی کیسے رہا ہوا تھا۔''

''اسے جج نے رہا کیا تھا'میں یہی جانتی ہوں۔''کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔

''جی'بالکل'آف کورس۔''احمر نے دم بخود اثبات میں سر ہلایا۔''مگر'جسٹس سکندر نے کبھی کوئی....ذکر کیا؟''

''احمر'جسٹس صاحب میرے پاس آئے تھے اور میں نے وہی کہا جو میں نے کہنا تھا۔''ٹھہر ٹھہر کر وہ بولی۔احمر نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلائی۔زمر کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر پھر سے تازہ ہو گیا....

وہ اپنے آفس میں کھڑی تھی اور جسٹس سکندر'بدلتے رنگوں والا چہرہ لئے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''یہ پیکٹ مجھے آپ کے بھتیجے نے بھجوایا ہے'اس کو ایک نظر دیکھئے'اور بتایئے'کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔''

زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور چبھتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔''یور آنرز'میں اس کو نہیں کھولوں گی'مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے'اس میں ثبوت اور شواہد ہو سکتے ہیں'جو اس نے اپنے ماموں کے حق میں جمع کر کے بھیجے ہوں آپ کو'اور اس میں کوئی قابل اعتراض نہیں ہے۔اس لئے آپ اس پیکٹ کو لے جایئے'اور بطور جج وہی کیجئے جو آپ کو بہتر لگتا ہے'کیونکہ میں یہ کیس آپ سے ڈسکس نہیں کر سکتی'یہ غلط ہے'سو....''ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔''مجھے چلنا ہوگا۔''اور پرس وغیرہ سمیٹنے لگی۔

''آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اس میں کیا ہے۔''

''یور آنر'میں نے اس کو نہیں کھولا'اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔مجھے اجازت دیجئے۔''اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ہلکا سا سر جھٹکا تو یاد کا بلبلہ ہوا میں تحلیل ہوا'اور وہ واپس ریسٹورانٹ میں آئی۔

''کوئی اور کام جس میں آپ سعدی کے شریک رہے ہوں؟''سنجیدگی سے احمر کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

''مسز شہرین کا ردار کا ایک کام تھا....''وہ تفصیل سے بتانے لگا۔زمر غور سے سنتی رہی۔آخر میں بس اتنا بولی۔''مجھے شہرین کی وہ ویڈیو چاہیے۔آپ کے پاس ہوگی یقیناً۔''

احمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔''سوری مگر میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ وہ میں ہر جگہ سے مٹا چکا ہوں'میرے پاس وہ

'نہیں ہے۔''

''مجھے....وہ....ویڈیو...چاہیے احمر!'' توڑتوڑ کر اس نے الفاظ ادا کیے۔احمر کے چہرے پہ بے پناہ افسوس بھرا۔

''مطلب آپ مجھے اتنا کوئی گرا ہوا انسان سمجھتی ہیں کہ میں کلب کے ریکارڈ سے مٹا کر اس کو اپنے پاس رکھ لوں گا؟ مجھے آپ کی سوچ پہ افسوس ہے اور....'' جذباتی انداز میں وہ بولے جا رہا تھا کہ زمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔''احمر شفیع!'' اور اس کو گھورا۔

''او کے سوری۔میرے کمپیوٹر میں پڑی ہے' کل لا دوں گا۔'' اس نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے۔پھر بے چارگی سے ادھر ادھر دیکھا' ذرا دیر کو ٹھٹکا۔

''ایکسکیوزمی' یہ لڑکی کون ہے؟'' زمر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں کچن کی سمت دیکھا جہاں حنین قدرے رخ موڑے کھڑی تھی۔زمر نے واپس ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی۔

''یہ سعدی کی بہن ہے' یعنی کہ فارس کی بھانجی' اور اگر فارس یہاں ہوتا تو آپ کی آنکھیں نکال چکا ہوتا اب تک۔'' نرمی سے گویا ہوئی تو وہ جو دیکھے جا رہا تھا' ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''نہیں نہیں سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' کرسی پہ رخ بھی موڑ لیا۔پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔''میں چلتا ہوں۔کل ویڈیو لا دوں گا۔'' عجلت میں کہتا' شرمندہ سا فوراً باہر نکل گیا۔زمر نے دیکھا۔باہر شیشے کے دروازے کے پار فارس آتا دکھائی دے رہا تھا۔

احمر نے بھی اسے دیکھ لیا۔اس کے پاس لمحے بھر کو رکا۔

''تم ادھر؟'' فارس نے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھا۔آج اس نے بھورا کوٹ پہن رکھا تھا۔اندر گول گلے کی سیاہ شرٹ۔(پھر ویسی ہی شرٹ!) ہاتھ میں کچھ کاغذ پکڑ رکھے تھے۔

''سعدی کا افسوس کرنے آیا تھا' مگر اب سوچ رہا ہوں کہ جو اس دن فیصلہ کیا تھا' چڑیل کو چڑیل نہ کہنے کا' وہ واپس لے لوں۔'' نہایت جل کر بولا۔

''مطلب؟'' اس نے تعجب سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''دفع کرو۔'' احمر نے سر جھلایا۔پھر جلدی سے قریب ہوا۔''پتہ ہے کیا' زمر میڈم سب جانتی ہیں' کہ کیسے تم باہر آئے' کیسے سعدی نے جج کو بلیک میل کیا' اور وہ جج سب سے پہلے انہی کے پاس گیا تھا' مگر....'' وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

''ایک منٹ ایک منٹ!'' حیرت اور شاک سے اس نے بات کاٹی۔''اس کو چھوڑو' تم کیسے جانتے ہو یہ سب؟''

جذباتی انداز میں بولتے احمر کو بریک لگی۔منہ کھل گیا۔(oops) بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔

''میری امی میرا انتظار رہی ہوں گی، میں چلتا ہوں۔''

''تمہاری امی کے انتقال کو سات سال گزر چکے ہیں۔سیدھی طرح مجھے پوری بات بتاؤ!''

''وہ....دیکھو...میرا کوئی قصور نہیں ہے....آخر لوگ میرے پاس مشورے لینے آتے ہی کیوں ہیں؟'' وہ واقعی روہانسا ہوا۔''میں نے تو صرف ایک مشورہ...''

''تم...!'' وہ انتہائی غصے سے آگے بڑھا۔''تم نے میرے بھانجے کو بلیک میلر بنا دیا۔'' دبی دبی آواز میں غرایا تھا۔

''تو اور کیا کرتا؟ کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔دیکھو مجھے جلدی ہے' ابھی میں جا رہا ہوں' بعد میں بات کرتے ہیں' ہاں۔'' تیز تیز بولتا' پیچھے ہٹتے وہ مڑا اور اپنی کار کی طرف لپکا۔فارس بمشکل ضبط کر کے اسے جاتے دیکھتا رہا' پھر واپس مڑا تو شیشے کی دیوار کے پار' ریسٹورانٹ کے اندر'

وہ بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔اس کے دیکھنے پہ سر جھکا کر کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''اس کو تو بعد میں پوچھوں گا۔'' ایک خشمگیں نگاہ دور جاتے اسٹپنی پہ ڈال کر وہ (گہری سانس لے کر) اندر آیا۔زمر سر جھکائے کاغذ دیکھ رہی تھی جب ان کاغذوں پہ اس نے ایک فولڈر رکھا۔زمر نے سر اٹھایا۔وہ سنجیدہ سا سامنے کھڑا تھا۔

''آپ کے انویسٹی گیٹر نے جواب نہیں دیا؟'' زمر نے اس کا طنز نظر انداز کر کے فولڈر کھولا۔آہستہ آہستہ کاغذات پہ نظر دوڑاتی گئی۔ابرو اٹھے،لب سکڑے۔

''نیاز بیگ دو دفعہ جیل جا چکا ہے' صرف ایک بار تین سال کی سزا کاٹی تھی۔مبینہ طور پہ دو قتل کر چکا ہے۔اور دونوں دفعہ الزام سے بچ نکل آیا تھا۔چار بچے ہیں' ایک بیوی' جو سیٹلائٹ ٹاؤن میں اس کے گھر میں رہتے ہیں۔اس کے علاوہ ایک...'' وہ رکا۔''ایک عورت سے اس کا تعلق ہے' امینہ امتیاز نام ہے اس کا' اس کو فلیٹ لے کر دیا ہوا ہے' اور ایک این جی او میں اچھی نوکری دلوا رکھی ہے۔باقی سب اس فولڈر میں ہے۔''

زمر صفحے پلٹاتی گئی' (اور چہرے پہ متاثر کن تاثرات نہ آنے دینے کی کوشش کرتے خود کو سپاٹ رکھا) پھر نگاہیں اٹھائیں۔

''مجھے اس امینہ امتیاز کی ایک ایک تفصیل چاہیئے۔یہ کہاں رہتی ہے،کیا روٹین ہے اس کی،کب...'' الفاظ لبوں میں رہ گئے۔فارس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے چند تہہ شدہ کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھے۔

''اور کچھ؟'' وہ سنجیدہ تھا۔سپاٹ سا۔

''نہیں۔'' وہ بے نیازی سے کاغذوں کی تہیں کھولتی قدرے رخ موڑ گئی۔وہ بھی نہیں رکا۔ندرت کو بس سلام کیا اور باہر نکل گیا۔اس کے جاتے ہی زمر کے چہرے کی لاتعلقی ہوا ہونے لگی' اور وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تیز تیز ان کاغذات کو پڑھنے لگی۔

.....❖❖❖.....

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے

ہسپتال کا وہ کمرہ ساری دنیا سے الگ تھلگ اور کٹا ہوا لگتا تھا۔سعدی بیڈ سے ٹیک لگائے' پاؤں لمبے کیے بیٹھا تھا' اور دو تین افراد اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ایک جھک کر اس کی ٹانگ کے زخم کی ڈریسنگ تبدیل کر رہا تھا۔خود وہ بس سینے پہ بازو لپیٹے' خاموشی سے ان کو یہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔شروع میں اس نے ان میل نرسز سے ہمکلام ہونے کی کافی کوشش کی تھی مگر وہ نہ سنتے تھے' نہ جواب دیتے تھے' سو اب توانائی ضائع کرنا بے فائدہ تھا۔سوائے اس ڈاکٹر کے۔آج وہ بال پونی میں باندھے،اس کے سر پہ کھڑی،گردن جھکا کر پٹی بدلنے کے عمل کو دیکھ رہی تھی۔کام مکمل کر کے وہ لوگ اسی خاموشی سے چلے گئے جس طرح آئے تھے۔البتہ وہ چند لمحے کے لیے کھڑی رہی۔

''کیا تمہیں اس پیر کی ہتھکڑی سے تکلیف تو نہیں ہو رہی؟'' ڈرتے ڈرتے میری کو نظر انداز کرتے اس نے پوچھا۔میری ایک دم ناگواری سے اٹھی۔

''نہیں۔'' سعدی نے رخ پھیر لیا۔لڑکی نے بے بسی بھری ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''تمہارا کام ختم ہو گیا ہے مایا،اب تم جاؤ۔'' میری نے اس کو گھورا۔مایا سر جھکائے،''او کے'' کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔دروازہ کھولتے ہوئے،مڑ کر ایک بے بس،دکھی نظر اس پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئی۔

میری صوفے پہ بیٹھ گئی۔سعدی اب اس سے بات نہیں کرتا تھا۔وہ ڈھیلا پڑ چکا تھا یا شاید اس قید سے نکلنے کا راستہ کوئی نہ تھا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا قرآن اٹھا لیا اور خاموشی سے صفحے پلٹانے لگا۔اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کل تلاوت کہاں سے چھوڑی تھی' پھر یاد کرنے کی کوشش کیے بغیر اس نے اپنی پسندیدہ سورت کھولی۔چیونٹیوں کی سورۃ۔پیامبروں کی سورت۔

''مجھے اپنا قرآن پین بھی چاہیے۔'' صفحے سے نگاہ اٹھائے بغیر اطلاع دی۔ جواب بھی اسی سرد انداز میں میری کی طرف سے آیا تھا۔
''تمہیں کسی بھی قسم کا gadget نہیں مل سکتا۔ سوری۔''
سعدی نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اعوذ باللہ پڑھا' اور صفحے پہ دھیان دیا جہاں سفید کاغذ کے اوپر سیاہ الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جم گئیں۔ کمرے میں چھایا ڈپریشن' تناؤ اور افسردگی' ہر شے اس جگمگاہٹ میں پسِ منظر میں جانے لگی۔ آیت اس سے کہہ رہی تھی۔

''مگر جس کسی نے بھی ظلم کیا' پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا ہو تو بے شک میں (اللہ) غفور اور رحیم ہوں۔''
چند لمحے کے لئے اس کا رابطہ کمرے کے دوسرے حصوں سے کٹ گیا۔ بیڈ کے گرد سیاہ جگمگاہٹ کا ایک ہالہ سا کھنچ گیا جس میں وہ سر جھکائے بیٹھا، ہاتھ میں پکڑی کتاب پڑھ رہا تھا۔
''اللہ تعالیٰ!'' وہ مدھم آواز میں بڑبڑایا تو سیاہ ہیروں سی جگمگاہٹ دل کے اندر اترتی ہر آگ کو ٹھنڈا کرنے لگی۔ ''مجھے یہ آیت یاد ہے۔ جہاں بچپن میں' میں قرآن پڑھنے جاتا تھا' وہاں میری ٹیچر نے یہ آیات بہت اچھے سے پڑھائی تھیں۔ وہ کہتی تھیں' عربی بہت گاڑھی زبان ہے' اس میں ہر لفظ کا بہت وسیع مطلب ہوتا ہے۔ قرآن تب سمجھ آئے گا جب اس کے ہر لفظ کے مطلب کو سمجھو گے۔ جیسے اللہ دیکھیں نا' آپ نے کہا' جو کوئی ظلم کرے' تو ظلم کا مطلب کیا ہے؟ اس سارے ذہنی تناؤ میں بھی مجھے یاد ہے۔ ظلم کا مطلب ہے' کسی کے حق میں کمی کرنا۔ تو آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں اللہ کہ ہم زندگی میں جب بھی کسی کے حق میں کمی کریں تو احساس ہونے پہ صرف سوری کر دینے کی بجائے برائی کو' اس دکھ اور تکلیف کو ہمیں اچھائی اور محبت سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان سارے دنوں میں مجھے لگنے لگا تھا کہ میں اس قید میں اس لئے پڑا ہوں کیونکہ میں نے زمر کا دل دکھایا تھا' وہ بیمار تھیں' انہوں نے کیا نہیں کیا میرے لئے' کیا تھا اگر میں فارس ماموں کی مسلسل حمایت کرنے کی بجائے دکھاوے کو ہی سہی ان کی بات پہ یقین کر لینے کی اداکاری کر لیتا' مگر میں نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر چار سال انہوں نے تعلق نہیں رکھا تو میں بھی ان کی موجودگی میں ان کے گھر نہیں جاتا تھا' میں نے بھی کال کرنی چھوڑ دی۔ آخر میں پہل تو پھر بھی انہوں نے کی۔ وہ سونیا کی سالگرہ کا کارڈ لے کر آئیں' میں تو نہیں گیا نا۔ مگر اب آپ مجھے بتا رہے ہیں کہ اگر میں نے اس ظلم کو اچھائی سے بدلنے کی کوشش کی ہے تو پھر آپ غفور بھی ہیں اور رحیم بھی۔ اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ پیچھے گھر میں مجھے کوئی بھی برا نہیں سمجھتا ہوگا۔ میری مداوے کی کوششوں نے میری سب کمی کوتاہی ڈھانپ لی ہوگی۔'' وہ سر جھکائے بڑبڑاتے ہوئے چونکا۔ ''اوہ!'' جیسے کچھ سمجھ آیا۔ ''اسی لئے آپ نے کہا کہ آپ غفور اور رحیم ہیں۔ غفور کہتے ہیں ڈھانپنے والے کو' جو گناہوں کو ڈھانپ کر ان کو مٹا دے' معاف کر دے۔ اور رحیم...'' اس نے آنکھیں میچ کر یاد کرنا چاہا۔ کندھا پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ ''..... بار بار رحم کرنے والا' لوگوں کی غلطیاں' گناہ سب بار بار معاف کر کے پھر سے ان کو موقع دینے والا۔''

سیاہ حروف کی جگمگاہٹ اس کے گرد کسی اونچے دائرے کی طرح رقصاں تھی۔ باقی سب کچھ چھپ گیا تھا۔ بدقت اس نے اگلے الفاظ پڑھنے چاہے۔

''اور اپنا ہاتھ ڈال لیجئے اپنے گریبان میں (اے موسیٰ) وہ نکلے گا سفید چمکدار' بغیر کسی عیب کے (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں' معجزاتی طور پہ) یہ نو (9) نشانیاں ہیں' ان کو لے جایئے فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ بے شک وہ لوگ ہیں جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔''

''آہ اللہ!'' سر جھکائے بیٹھے لڑکے نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''میں نے بھی یہی کرنا چاہا تھا مگر مجھے بھول گیا تھا کہ موسیٰ تنہا نہیں گئے تھے۔ وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ میں نے زندگی کی دوسری بڑی غلطی کی زمر اور حنین سے جھوٹ بول کر کہ میں نیسکام جا

رہا ہوں۔ اب ان کو کون بتائے گا کہ میں کہاں ہوں' اور پہلی غلطی....'' اس کی بند آنکھوں کے آگے ایک منظر لہرایا۔ ''گولی لگنے سے چند منٹ پہلے.... میں نے وہ پین کیمرہ ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ اوہ اللہ!''

پھر اس نے ذہن سے ساری یادوں کو جھٹک کر آنکھیں کھولیں اور اگلی آیت پہ انگلی رکھی۔

''پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں آ گئیں تو وہ کہنے لگے' یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔'' ایک ایک لفظ اس نے ٹھہر کر اندر اتارا۔ دل و دماغ میں عجیب قنوطیت اور اذیت بھرتی گئی۔

''اللہ آپ کو تو پتہ تھا کہ وہ اس کو نہیں مانیں گے' ہدایت کی کوئی بات ان کے دل کو موم نہیں کر سکے گی۔ پھر آدمی کیوں جا کر کسی منکر' ظالم کو للکارے؟ وہ اپنا عمل کریں اور ہم چپ چاپ اپنی نماز روزہ کرتے رہیں۔ میں بھی کوئی ان کا دل موم کرنے نہیں گیا تھا' مگر یونہی ایک انہونی سی آرزو تھی کہ شاید وہ مداوے کے لئے کچھ کریں۔ کچھ کرنا چاہیں، مگر فائدہ کیا ہوا؟'' سیاہ جگمگاہٹ کو مایوسی کا اندھیرا نگلنے لگا اور جیسے .... جیسے آس پاس سیاہ دھویں کے مرغولے اٹھنے لگے.... اس کا دل پھر سے زخم زخم ہونے لگا۔

''اور انہوں نے ان کا انکار کیا ظلم اور تکبر کے ساتھ' حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے....''

وہ پڑھتے پڑھتے چونکا۔ سیاہ دھواں پھیلنا ٹھہر گیا۔ ساری فضا ساکن ہو گئی۔

''حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

پھر دیکھو!

کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا!''

دھواں چھٹ گیا۔ سیاہ حروف جگمگاہٹ پھر سے اردگرد پھیل گئی۔ اداس بیٹھے سر جھکائے لڑکے کے چہرے پہ تکان بھری مسکراہٹ آ ٹھہری۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ ہونٹوں سے اسی کتاب کی ایک اور آیت ادا ہوئی۔

''اور جو اللہ پہ بھروسہ کرتے ہیں' اللہ ان کے لیے ضرور راستہ نکالتا ہے۔''

مقدس کتاب بند کی' ادب سے چوما اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی۔ پھر اداسی سے مسکراتے واپس ٹیک لگا لی۔

میری ہنوز بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ سعدی خاموشی سے مسکراتا' چھت کو تکتا رہا۔

''اور تم ہاشم کا رد دار دیکھنا ہمیں' کہ ہم کیسے بحرِ احمر کو دو حصوں میں کاٹتے ہیں' اور پھر تمہیں اسی میں ڈبوتے ہیں۔ تم دیکھنا۔''

.....❖❖❖.....

غم کی حدت سے کوہسار پگھلتے دیکھے ..... انسان تو پھر انسان ہوا کرتے ہیں

قصرِ کاردار سے پرے انیکسی میں ان دنوں سمجھوتے کی سی فضا چھائی تھی۔ رمضان شروع ہو چکا تھا' اور پہلے چند روزے کب گزرے' پتہ ہی نہیں چلا۔ عجیب سی روٹین بنی ہوئی تھی۔ افطاری کے بعد سحری تک کوئی نہ سوتا۔ پھر سحری کر کے سیم اور حنین دوپہر تک سوتے۔ ندرت کا وہی طریقہ تھا۔ رمضان کے باوجود جلدی ریسٹورانٹ چلی جاتیں۔ زمر بھی گھر نہ ٹکتی اور فارس جاب پہ ہوتا۔ بڑے ابا خالی پڑے لاؤنج میں سارا دن صداقت کے ساتھ بے مقصد بیٹھے رہتے۔

صداقت بولتا رہتا' یا سیم اٹھ جاتا تو وہی بولتا' یا وہ دونوں ٹی وی دیکھتے رہتے۔ اور دونوں کو لگتا کہ وہ موسیقی سے بھرپور' دوکان رمضان ٹرانسمیشن میں لوگوں کی طرف بھکاریوں کی طرح تحفے اچھالتے دیکھ کر ثواب کما رہے ہیں۔ ابا سیم سے اتنا بھی نہ کہتے کہ 'رمضان عبادت کا مہینہ ہے' ٹی وی کے سامنے بیٹھنے سے اسے ضائع نہ کرو' کہ انہیں ڈر تھا اگر وہی لاؤنج میں آ کر نہ بیٹھے گا تو یہ تنہائی شاید مار ہی دے۔ حنین پہلے بھی سست تھی اب تو ہر کام سے گئی۔ کمرے میں بند رہتی' یا باہر لان میں بیٹھی گردن اٹھائے' قصر کو دیکھتی رہتی۔

ایسی ہی ایک رات زمر اور فارس کے کمرے میں مدھم زرد بتی جل رہی تھی۔ بجلی گئی ہوئی تھی، یو پی ایس پہ پنکھا چل رہا تھا، مگر اے سی بند باقی تھی۔ فارس صوفے پہ پاؤں لمبے کیے لیٹا' سینے پہ لیپ ٹاپ رکھے کچھ کام کر رہا تھا (وہ ایک کارپوریٹ فرم میں بطور چیف سیکیورٹی آفیسر تعینات تھا۔) سامنے جائے نماز پہ زمر التحیات میں بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ اچھے سے لپیٹے اس کا چہرہ جھکا تھا۔ فارس کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ کنکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تراویح ختم کر کے اب وتر کا سلام پھیر رہی تھی۔ پھر جائے نماز سمیٹتی اٹھ گئی۔

''آپ کی نماز کافی خوبصورت ہے۔ سلو اور آرام سے۔ میں بھی پڑھتا تھا جیل میں۔ مطلب اتنی اچھی نہیں۔ آس پاس کی ساری آوازیں سنائی دیتیں اور سارے دن کے کام یاد آتے۔'' اسکرین کو دیکھتا وہ بولا تو وہ جو پشت کیے کھڑی جائے نماز تہہ کر رہی تھی' رک گئی مگر مڑی نہیں۔ ''اور آپ کی طرح پانچ وقت کی نہیں پڑھتا تھا۔ کچھ دن پڑھی' پھر چھوڑ دی۔ مگر.... ایک بات۔ دعا میں بھی نہیں مانگتا تھا' مگر سچ تو یہ ہے کہ دعا کے بغیر نماز ادھوری ہوتی ہے۔''

وہ ہلکا سا مڑی' چبھتی نظر اس پہ ڈالی۔ ''میں دعا مانگوں یا نہیں' یہ میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے۔''

''میں نے تو کچھ نہیں کہا۔'' وہ شانے اچکا کر اسکرین کی طرف متوجہ ٹائپ کرتا رہا۔

زمر جائے نماز رکھ کر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی۔ (اس کی طرف اب بھی پشت تھی۔) انگلی سے چہرے کے گرد اڑسا دوپٹہ کھولا۔ فائل سامنے کی۔ قلم اٹھایا۔ الفاظ پہ نگاہ پڑی تو ہر چیز مدھم ہونے لگی۔ اپنی زندگی کسی فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم گئی۔

''اللہ تعالیٰ۔'' اس نے بنا آواز لب ہلائے۔ آنکھوں میں اضطراب در آیا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میں پہلے جیسی دعا نہیں کرتی۔ آپ سے بات بھی نہیں کرتی۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ سے ناراض ہوں' نعوذ باللہ۔ بس میرا دل سخت ہو گیا ہے۔ مجھے لگتا تھا میرے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں بچا مگر میں غلط تھی۔ جب تک انسان کی سانس ہے' اس کے پاس کھونے کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے پاس بھی تھا۔ سعدی۔ اور اب وہ نہیں ہے۔ ابا' اور باقی سب ہیں' میں ان کو کھونا نہیں چاہتی۔ اور میں سعدی کو بھی واپس لانا چاہتی ہوں۔ میں ہر اس شخص کو عبرت کی مثال بنانا چاہتی ہوں جس نے میرا خاندان تباہ کیا ہے' اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ جب تک وہ ہمارے پاس واپس نہیں آ جاتا' آپ اس کا خیال رکھیئے گا۔ آپ اس کو اکیلا نہ کیجئے گا۔'' اس نے آنکھیں بند کیں تو دو آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرے۔ پھر بھیگی پلکیں کھولیں۔

''فارس!'' اس کی آواز بھی رندھی ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر سر گھمایا۔ پھر لیپ ٹاپ ہٹا کر اٹھا اور قدرے تشویش سے اس کی پشت کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''آج نیاز بیگ کی ضمانت ہو گئی۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ ہلکا سا بولا' نگاہیں اس کے سر کی پشت پہ تھیں' جس سے دوپٹہ پھسل گیا تھا اور بھورے گھنگریالے بال جھلک رہے تھے۔

''اس نے جج کے سامنے کہا کہ اس نے یہ قتل سیلف ڈیفینس میں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ سعدی اس کو مارنے لگا تھا۔ اس نے...'' ایک اور آنسو آنکھ کے کنارے سے ہٹا۔ ''اس نے ہمارے فجر پہ اٹھ کر مسجد کی امامت کروانے والے سعدی کے بارے میں کہا کہ وہ اس سے ڈرگز خریدتا تھا اور یہ جھگڑا ڈرگز پہ ہوا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر آ ٹھہرا۔ ''قتل سے نکلنے کا سب سے اچھا طریقہ مقتول کی اتنی کردار کشی کرنا ہے کہ جج کو لگے' اسے مار کر قاتل نے دنیا پہ احسان کیا ہے۔ آپ نے ہی بتایا تھا کرمنل لاء کی کلاس میں۔''

زمر نے آنکھ انگلی کی نوک سے پونچھی اور پلٹی تو اس کی آنکھیں اور ناک گلابی ہو رہی تھی (اور ناک کی لونگ۔ اس نے نگاہ چرالی۔)

''تم نے کہا تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو۔ میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ پھر سے کوئی دھوکہ نہیں کرو گے۔''

''زمر!'' اس نے گہری سانس لی اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''میں وہ نہیں ہوں جس کو اس نے اپنا گردہ دیا تھا' نہ میں وہ ہوں جو اس کی یونیورسٹی کی فیس دیتا تھا' مجھے پتہ ہے اس بارے میں' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس سے آپ سے کم محبت تھی۔''

وہ چونکی تھی' آنکھوں میں شاک ابھرا۔

''مجھے پتہ ہے' اور یہ نہیں بتاؤں گا کہ کیسے پتہ ہے' مگر یہ یاد رکھیئے' کہ وہ میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا۔ اس نے میرے لئے بہت کچھ کیا' اور میں اسے کبھی نہیں بتا سکا کہ اس سے کتنی محبت تھی مجھے۔ آپ کو میں اپنے ساتھ مخلص نہیں لگتا' خیر ہے' مگر اس کے ساتھ کتنا مخلص ہوں' یہ آپ کو پتہ ہے۔''

زمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ لب کھولے پھر بند کر دیے۔ (وہ نہیں بتائے گا' تو وہ کیوں منت کرے؟ ضرور ابا نے بتایا ہوگا۔)

''پھر.... کیا چاہتی ہیں آپ؟ میں کیا کروں؟'' اب کے ذرا نرمی سے پوچھا۔

زمر نے گہری سانس لی۔ (یا اللہ مجھے اتنا صبر دینا کہ میں اپنا ضبط کھوئے بغیر اس شخص کے ساتھ کام کر سکوں جس سے مجھے شدید نفرت ہے۔)

''کیا تم نے شزا ملک کے بارے میں سنا ہے؟'' اس نے فارس کو مخاطب کیا تو آواز متوازن تھی اور بے تاثر۔

اور جب وہ دونوں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے تو ساتھ والے کمرے میں ندرت بیڈ پہ تھکی ہاری سو رہی تھیں' اور حنین لیٹی ہوئی' ان کے فون پہ سعدی کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے بال اب آنکھوں تک آتے تھے۔ باقی تکیے پہ کھلے پڑے تھے۔ وہ پہلے سے پژمردہ اور کمزور لگتی تھی۔

اسکرین پہ انگلیاں پھیرتے یکدم غلطی سے وائی فائی کو چھو لیا۔ شاید سیم نے اس فون سے زمر کے کمرے میں رکھا وائی فائی پہلے استعمال کیا تھا کہ پاسورڈ پوچھے بنا وہ آن ہو گیا۔ امی نے یہ اسمارٹ فون چھے ماہ پہلے لیا تھا' وائبر کے لئے۔ حنہ تو اسے ہاتھ بھی نہ لگاتی' مگر اب لگا رہی تھی۔ وائبر پہ امریکہ سے کسی کزن کا میسج آیا پڑا تھا۔ اس نے کھولا اور پھر وائی فائی بند کرنے لگی' یکا یک ٹھہر گئی۔

''امی نے واٹس ایپ نہیں ڈاؤن لوڈ کیا۔'' اندھیر کمرے میں ایک نظر کروٹ لئے سوئی ندرت پہ ڈال کر سوچا۔ ''ڈاؤن لوڈ کرنے میں کیا حرج ہے؟ بھائی کی ڈی پی دیکھ لوں گی۔'' اس نے پلے اسٹور آن کیا۔ واٹس ایپ ڈاؤن لوڈ کیا۔ اور پھر فہرست دیکھی۔ سعدی بھائی۔ اس کے اسٹیٹس میں لکھا تھا۔ Ants Everafter۔ وہ اداسی سے مسکرائی۔ بھائی کا کی چین بھی بھائی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ اس نے سعدی کا چوکھٹا کھولا۔

Last Seen 22 May

حنہ چونکی۔ بھائی کا حادثہ اکیس مئی کو ہوا۔ مگر اگلے دن بھی کسی کے پاس اس کا فون تھا؟ وہ سوچنے لگی۔ پھر ایک خیال نے ذہن کی رو بھٹکائی۔ اس نے سیاہ سنہرے جگمگاتے ہند سے یاد کیے اور موبائل میں لکھے۔ اور ہاشم کاردار کے نام سے محفوظ کیے، پھر کنیکٹس کی فہرست دیکھی۔ (پتہ نہیں ہاشم بھائی واٹس ایپ پہ ہیں یا نہیں؟)

دفعتاً فہرست اوپر کرتا انگوٹھا رکا' آنکھوں میں کچھ چمکا۔ ہاشم کاردار۔ ساتھ میں اپنی اور سونی کی سیلفی۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔ کھڑکی کو دیکھا جس کے پار' اوپر قصر تھا۔ ہاشم کا نام دبایا۔ پیغام بھیجنے کا صفحہ کھلا۔ اوپر ''آن لائن'' جگمگا رہا تھا۔

مجھے موبائل رکھ دینا چاہیے' یہ چیزیں میرے لئے نہیں ہیں' ان کے نتائج برے نکلتے ہیں' اس نے خود کو کہا مگر سنا ہی نہیں' اور بائیں

ہاتھ میں موبائل پکڑے' کروٹ کے بل لیٹے' دائیں کی انگلی سے ٹائپ کرنے لگی۔

''ہاشم بھائی؟''

''کون؟'' چند لمحے بعد جواب چمکا۔ ہلکی سی تھرتھراہٹ ہوئی۔ حنہ نے فوراً امی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھیں اور موبائل سائلنٹ کر دیا۔

''حنہ۔ یہ امی کا فون ہے۔''

''حنین؟ ہماری پڑوسن حنین؟'' وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ اور فائلز کھولے ہوئے کام کر رہا تھا، جب موبائل بجا' سو وہ اس طرف متوجہ ہوا۔ پیغام بھیج کر موبائل رکھا اور پھر سے ٹائپ کرنے لگا۔

''شکر ہے آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ کون حنین؟''

''کیسی ہو تم؟ تم لوگ آتے ہی نہیں ہو اس طرف۔''

''رمضان کی وجہ سے روٹین بدل گئی ہے۔ افطاری سے پہلے شدید پیاس سے نڈھال' افطاری کے بعد بہت کھا کر نڈھال۔'' اتنے عرصے بعد ٹائپ کرنے کے باعث حنین کی رفتار سست تھی۔

''یہ تو ہے اور سعدی کا کچھ پتہ چلا؟''

تنہائی میں ڈوبا کمرہ اداس ہو گیا۔ موبائل کی روشنی سے چمکتا حنہ کا چہرہ بجھ گیا۔

''نہیں۔'' ذرا ٹھہر کر میسج کیا۔ ''او کے آپ سو جائیں۔ میں نے یونہی آپ کو آن لائن دیکھ کر ٹیکسٹ کر دیا تھا۔'' وہ برے دل کے ساتھ فون رکھنے لگی۔

''نہیں' میں جاگا ہوا ہوں۔ کل کورٹ جانا ہے۔ اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ میں بات کر سکتا ہوں۔ نو پرابلم۔ تم بتاؤ' کیا کرتی رہتی ہو سارا دن؟'' وہ پیغام بھیج کر فون رکھ دیتا اور پھر سے کام کرنے لگ جاتا۔ مکمل توجہ اور دھیان سے اسکرین پہ نظریں جمائے۔

''میں... کچھ بھی نہیں... بس بھائی یاد آتا ہے۔ اور....'' وہ لکھتی گئی۔ باہر رات پگھلتی گئی۔ قطرہ قطرہ۔ تاریکی بڑھتی گئی۔ اور وہ ٹیکسٹ پہ ٹیکسٹ کرتی گئی۔

وقت اور جگہ کا سارا احساس ختم ہو گیا۔ ہر اگلے پیغام کے انتظار کی بے قراری' اور ہر پیغام پڑھتے وقت لبوں پہ مسکراہٹ۔ کیونکہ ابھی دنیا میں وہ خمر کشیدہ ہی نہیں کی گئی جس کا نشہ' آدھی رات کو کسی نامحرم سے موبائل پہ بات کرنے سے زیادہ ہو۔

سحری کے قریب اس نے لکھا۔ ''اب سو جاؤ بچے۔ مجھے صبح کورٹ جانا ہے۔''

''او کے گڈ نائٹ!'' مسکرا کر اس نے لکھا' پھر ساری گفتگو کو مٹانے کا بٹن دبایا۔ پھر ہلکا سا چونکی۔ (مٹانے کی کیا ضرورت؟ ہاشم بھائی ہی ہیں۔ ان سے بات کرنے میں غلط کیا ہے؟) مگر جب واٹس ایپ نے پوچھا کہ واقعی سب مٹانا ہے تو اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔ پھر فون رکھا اور آنکھیں بند کیں تو سعدی ایک دفعہ پھر سے یاد آ گیا۔ کرب بڑھ گیا اور اس میں اب ایک اور کرب بھی شامل ہو گیا۔

.....❖❖❖.....

اس کے نزدیک غمِ ترکِ وفا کچھ بھی نہیں ..... مطمئن ایسا ہے وہ جیسے ہوا کچھ بھی نہیں

شام بارش کے باعث پہلے سے ٹھنڈی اور خوشگوار سی اتر رہی تھی۔ ہاشم نے قصر کا داخلی دروازہ کھولا تو اندر کا منظر نمایاں ہوا۔ اونچے اور وسیع لاؤنج میں بڑے صوفے پہ جواہرات تمکنت سے بیٹھی تھی۔ کہنی صوفے کے ہتھ پہ جمائے' وہ چائے کی نازک پیالی سے گھونٹ بھرتی' مسکراتی نظروں سے سامنے بیٹھی شہرین کو دیکھ رہی تھی جو اس سے قطعاً بے نیاز' سونیا کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ ساتھ میں چیونگم بھی چبا رہی تھی۔

آفس سے تھکے ہارے آئے ہاشم نے ایک مشترکہ سلام کیا، اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

''سونی اپنے بابا کو بتا دو' کہ آج سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے اور دو دن بعد آئے گی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ کہ سونی کتنی خوش ہے ان سارے پلانز پہ جو ماما نے سونی کے لئے بنائے ہیں۔'' آخری پن لگا کر اس نے سونی کے نرم بالوں میں برش پھیرتے اونچا سا کہا۔ تو سونی خوش خوش سی اٹھی اور بھاگتی ہوئی ہاشم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''بابا.... سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے۔ اور پتہ ہے' ماما نے....'' آگے اس نے جوش میں وہ چند فقرے دہرائے جو شہرین کی ڈھائی گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھے۔

ہاشم نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا' اور پھر ایک تیز سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی جواب ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی' جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم سونیا کو انکار نہیں کر سکتا' اسے معلوم تھا۔

''شیور۔ انجوائے کرو۔'' جھک کر اس کا گال چوما اور سیدھے ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا اور پھر ایک قہر آلود نظر شہری پہ ڈال کر اوپر کی جانب قدم اٹھا دیے۔ شہری نے فاتحانہ مسکراہٹ جواہرات کی طرف اچھالی جو عادتاً مسکراتے ہوئے چائے پی رہی تھی۔

''پتہ نہیں کیوں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شہری کو ہرا سکتے ہیں۔'' انگلی سے سنہری بال نزاکت سے پیچھے کرتے وہ بولی۔ ساتھ ہی دور کھڑی فیونا کو اشارہ کیا۔ وہ آئی اور سونی کو تیار کرنے ساتھ لے گئی۔

''صرف وہی ایسا سمجھتے ہیں جو شہری کو کئی دفعہ ہرا چکے ہوں۔'' جواہرات نے شانے اچکائے۔

تبھی دروازہ پھر سے کھلا اور موبائل کے بٹن دباتا' الجھا ہوا نوشیرواں اندر داخل ہوا۔ وہ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا' اور پیچھے ملازم اس کا بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔ یقیناً وہ ہاشم کے ساتھ آفس سے آ رہا تھا۔

ماں کو سلام کرتے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھائی تو ٹھہرا۔ شہری سامنے بیٹھی تھی' ابرو بھینچ کر جواہرات کو دیکھتی' کسی تابڑ توڑ حملے کے لئے تیار۔

''اوہ ہائے!'' نوشیرواں ہلکا سا مسکرایا۔ جواہرات نے پوری گردن گھما کر اس کی مسکراہٹ دیکھی۔

''ہیلو!'' شہری کا فقرہ منہ میں ہی رہ گیا۔ بدمزہ سی اٹھی اور سونی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' وہ حیران ہوا۔ وہ مڑی' تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اپنی بیٹی کے لئے آئی تھی' اس کو لینے جا رہی ہوں' ورنہ مجھے قطعاً کوئی خواہش نہیں اس گھر میں بار بار آنے کی۔'' تنے ابرو کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔ ہاتھ میں موبائل جوں کا توں اٹھا رکھا تھا۔ جواہرات کی مسکراہٹ' شدید ناپسندیدگی میں بدلتی گئی۔ اور شیرو کو گھورتے اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''وہ صحیح کہہ رہی ہے، اس گھر میں ذرا دیر بیٹھی ہے، ورنہ آتے ساتھ ہی سونی کو لے کر زمر کے پاس چلی گئی، سعدی کا افسوس کرنے! جاؤ، تم فریش ہو لو۔''

نوشیرواں کا دل جیسے اچاٹ ہو گیا۔ وہ برہمی سے زینے چڑھنے لگا۔

.....❖❖❖.....

دنیا تو ایک برف کی سل سے سوا نہ تھی ..... پہنچی ذرا جو آنچ تو دنیا تمام شد!

اس شام' جب دفاتر میں لوگ اپنے کام جلد از جلد نپٹاتے' گھر جانے کی تیاری میں تھے' کہ پانچ بجنے میں ذرا سی دیر ہی باقی تھی' ایسے میں اس عمارت کے اندر ایک چھوٹے آفس کے سامنے لاؤنج نما کمرے میں فارس کھڑا تھا۔ اس نے نیلی کف والی شرٹ اور سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔ آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور کیپ کو چہرے پہ خاصا جھکا رکھا تھا۔ ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا گلدستہ لئے' (جو اوپر سے شفاف

پلاسٹک میں پیک تھے) وہ پیون کو رسید نکال کر دے رہا تھا۔

''امینہ صاحبہ کے لئے ہیں' ان سے دستخط کروالائیے۔'' آفس کے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا تو پیون سر ہلا کر' گلدستہ احتیاط سے پکڑے اندر چلا گیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا رہ گیا۔ فارس نے کنکھیوں سے جھری سے دیکھا۔ اندر آفس میں میز کے پیچھے ایک نارنجی ڈائی بالوں والی لڑکی نما عورت بیٹھی تھی' اور پیون اس کی میز پہ گلدستہ رکھ رہا تھا۔

''کس نے بھیجے ہیں؟''

''نام نہیں بتایا۔ بس اتنا بولا کہ نیاز بیگ کے کسی پولیس والے دوست نے بھیجے ہیں اپنی ترقی کی خوشی میں جو آپ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔'' وہ رخ موڑے کھڑا رہا... یہاں تک کہ پیون نکل آیا۔ رسید اسے لا کر دی' جسے اس نے رجسٹر میں لگایا' تبھی رجسٹر ہاتھ سے پھسلا اور سارے کاغذ بکھر گئے۔ رسیدیں، پرچیاں۔ فوٹو اسٹیٹ کاغذ۔

''معاف کرنا!'' وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کاغذ سمیٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ۔ کیپ والا سر جھکائے۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ پیون کبھی اندر آ رہا تھا' کبھی باہر جا رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پرچیاں اٹھاتا اور رجسٹر میں لگاتا رہا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اور کنکھیوں سے پیون کو دیکھا۔ وہ اب ٹرے لے کر راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ ادھر وہ نکلا، ادھر فارس تیزی سے اٹھا اور آفس کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

میز پہ سر ٹکائے' ڈائی بالوں والی عورت آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ ساتھ ہی گلدستہ کھلا ہوا پڑا تھا اور اس سے عجب مہک اٹھ رہی تھی۔ ناک بند کر کے وہ تیزی سے قریب آیا' گلوز والے ہاتھوں سے اسے واپس ریپ کیا۔ پھر لینڈ لائن فون کا تار کاٹا۔ انٹر کام کا تار کاٹا۔ کمپیوٹر کی تار کو مقطع کیا۔ امینہ کا پرس کھنگالا۔ اندر سے چابیاں نکالیں۔ پھر میز پہ رکھا موبائل جیب میں ڈالا' اور دروازے تک آیا۔ جھری سے باہر دیکھا' پیون ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ اس نے جلدی سے بتی' پنکھا سب بند کیے۔ باہر نکلا۔ دروازہ لاک کیا۔ باہر لگا ''اوپن'' کارڈ پلٹا کر ''کلوزڈ'' سامنے لایا۔ اور پھر' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' وہ آگے چلتا گیا۔

پھر شام گہری ہو گئی' افطار کے قریب لوگ سمٹ کر گھروں کے اندر چلے گئے تو شہر قدرے سنسان لگنے لگا۔ مغرب باسی ہوئی اور رات اترنے لگی۔

ایسے میں ایک بڑے اور مہنگے پرائیوٹ ہسپتال کے باہر کھلے پارکنگ ایریا کے ایک کونے میں ایک کار کھڑی دکھائی دیتی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پہ فارس' پی کیپ پہنے بیٹھا نظر آتا تھا۔ چیونگم چباتے ہوئے' وہ آنکھیں سکیڑ کر ہسپتال کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں بیرونی استقبالیے سے ہٹ کر' باہر ایک اندھیر کونے میں اسے زمر دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں سے وہ مبہم سی دکھائی دیتی تھی۔

اگر قریب جا کر دیکھو تو وہ اس ویران کونے میں ایک نرس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نرس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتے' ایک پیکٹ زمر کی طرف بڑھایا۔

''سب کچھ پورا ہے؟'' زمر نے سرگوشی میں پوچھا۔ نرس نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔

''اوکے... وہ ابھی آئے گا' آگے تم جانتی ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔'' کہنے کے ساتھ پرس سے ایک بند خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ نرس نے فوراً ہاتھ اٹھائے۔ ''نہیں' نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کے مجھ پہ احسان ہیں۔''

''رکھ لو۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر زبردستی پیکٹ تھما دیا۔ نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے رکھ لیا۔

تبھی فارس کو وہ واپس آتی دکھائی دی۔ اس نے نیلی قمیص پہن رکھی تھی اور سیاہ دوپٹہ سر پہ تھا۔ وہ سر جھکائے متناسب چال چلتی اس طرف آ رہی تھی۔ فارس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا لاک کھولا۔

''آدھا کام ہو گیا۔'' اندر بیٹھتے ہوئے زمر نے عام سے انداز میں اطلاع دی اور پیکٹ ڈیش بورڈ پہ رکھا۔ فارس نے ایک نظر اس پہ

ڈالی۔وہ سر سے دوپٹہ اتار کر اب گھنگریالے بالوں کو گول مول لپیٹ کر جوڑا بنا رہی تھی۔وہ سامنے دیکھنے لگا۔

''اب؟''

''وہ آجائے' پھر فون کرتے ہیں۔''اس نے متلاشی نظروں سے دور ہسپتال کے بیرونی دروازوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ آچکا ہے۔جب آپ گئیں تب ہی آگیا تھا۔'' کہنے کے ساتھ اس نے امینہ کا موبائل زمر کی طرف بڑھایا۔جسے اس نے رومال میں لپیٹ کر پکڑا۔کال وہ ملا چکا تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں پہ گلوز چڑھے تھے۔پلاسٹک کے شفاف پتلے گلوز۔زمر نے کان سے موبائل لگایا۔ایک رومال منہ کے قریب فون پہ رکھا۔گھنٹی کے بعد مردانہ آواز ابھری۔

''ہاں امینہ!''

''میں ہسپتال سے بات کر رہی ہوں، یہاں ایک بی بی کو لایا گیا ہے' نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی ہے اس نے۔امینہ نام ہے اس کا۔'' وہ پختون لہجے میں روانی سے بول رہی تھی (اور وہ ہلکا سا مسکرایا۔واہ۔چڑیل اداکاری بھی کرتی ہے۔)''اس کے فون پہ آپ کا آخری نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔''

''کیا؟ کون سے ہسپتال سے؟'' دوسری طرف الجھن اور پریشانی در آئی۔زمر نے جلدی جلدی نام اور پتہ بتایا۔''پندرہ بیس منٹ بعد پولیس آجائے گا' اگر تم نے آنا ہے صاحب تو جلدی آؤ۔''

''پولیس سے کچھ نہیں کہنا' میں آرہا ہوں بس۔اور۔۔'' مگر زمر نے سنے بغیر کال کاٹ دی۔

''یہ لہجہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟'' مسکراہٹ چھپائے اس کو دیکھ کر پوچھا تو زمر فون ڈیش بورڈ پہ دھرتے ہوئے اسی بے تاثر انداز میں بولی۔

''آر یو شیور' وہ امینہ سے یہاں آنے سے پہلے رابطہ نہیں کر سکے گا۔''

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔''جی۔''

زمر نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔''کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟''

اس نے چہرہ موڑ کر زمر کو دیکھا۔''گلا گھونٹ کر پنکھے سے لٹکا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خودکشی ہے۔''

وہ اکتا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

رات باہر قطرہ قطرہ بہتی رہی۔کار کے اندر خاموشی چھائی رہی۔دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔دفعتاً وہ سیدھا ہوا۔

''وہ نیاز بیگ!'' زمر نے بھی اسی طرف دیکھا۔شلوار سوٹ میں ملبوس نیاز بیگ ہسپتال کے اندر داخل ہو رہا تھا۔فارس نے گردن گھمائی۔''اس کی کار قریب میں ہی کہیں ہوگی' جلدی میں لگ رہا ہے۔'' لاک کھولتے ہوئے اس نے ڈیش بورڈ سے پیکٹ اٹھایا اور دروازہ کھولا۔زمر نے قدرے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''دھیان سے!'' ہلکا سا بولی۔وہ چونکا' اس کی آنکھوں کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

''میں نہیں چاہتی تمہاری لاپرواہی سے کوئی گڑبڑ ہو۔'' وہ وضاحت دے کر رخ موڑ گئی۔اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

اندر استقبالیہ تک نیاز بیگ تیز قدم اٹھاتے پہنچا۔وہی نرس کاؤنٹر کے پیچھے دو تین افراد کے ہمراہ کھڑی تھی۔اسے آتے دیکھ کر فوراً اس طرف متوجہ ہوئی۔''جی؟'' وہ اسکے مخاطب کرنے پہ وہیں رکا۔

''ہاں وہ...امینہ نامی خاتون کو لایا گیا ہے' مجھے فون آیا تھا' اور....''

''پرائیوٹ روم' چھے نمبر میں ہے وہ۔ آپ یہاں سے سیدھا جا کر دائیں مڑ کر...'' وہ عجلت میں رستہ سمجھاتی گئی۔ وہ سنجیدگی اور قدرے اضطراب سے سر ہلاتے' آگے بڑھ گیا۔

چند راہداریاں عبور کر کے' کمروں کے نمبر پڑھتا' وہ مطلوبہ کمرے کے قریب آیا۔ باہر دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ نیاز بیگ کی تیوری چڑھی۔ وہ دروازے کے نزدیک جانے لگا تو ایک سپاہی نے راستہ روکا۔

''کیا کام ہے؟''

''اندر میرا مریض ہے۔ اسے دیکھ لوں' پھر تم سے بات کرتا ہوں۔'' وہ قدرے اکھڑے لہجے میں کہہ کر آگے بڑھنے لگا' مگر سپاہیوں نے پھر سے روک دیا۔

''اجازت نہیں ہے۔ مریض سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟''

اس سے پہلے کہ وہ غصے سے کچھ جواب دیتا' دروازہ کھلا۔ نیاز بیگ کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ اے ایس پی سرمد شاہ' عام پینٹ شرٹ میں ملبوس' باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔

''نیاز بیگ۔ تم ادھر کیسے؟'' تعجب سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے، اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

''یہ تمہارے تھانے کی حدود تو نہیں ہے اے ایس پی...'' وہ بھی ذرا حیران ہوا۔ ''خیر میری پہچان کی ایک عورت...(آنکھ سے اشارہ کیا) ادھر ایڈمٹ ہے۔''

سرمد شاہ کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ''ادھر؟ اس کمرے میں؟''

''ہاں۔ دیکھو اسے پولیس کیس مت بناؤ' یہ اتنا کوئی بڑا معاملہ...''

''تم شزا کو کیسے جانتے ہو؟'' سرمد شاہ نے تیزی سے بات کاٹی۔ اس کی متعجب نگاہیں نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔

''کون شزا؟'' وہ ٹھہرا۔

''آئی جی صاحب کی بیٹی اور میری کزن شزا ملک' جو ریپ اور ٹارچر کے بعد پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کوما میں ہے۔ بتاؤ' کیسے جانتے ہو اسے؟'' سرمد شاہ کی نگاہوں کا تعجب اب کھوجتے تاثر میں بدل رہا تھا۔ ایکدم نیاز بیگ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''نہیں' شزا کون؟ میں تو نہیں جانتا کسی شزا کو۔ میں تو ادھر امینہ کے لئے آیا تھا۔ وہ میری ایک عزیزہ ہے۔'' پھر کمرہ نمبر دیکھا۔ ''شاید غلط کمرہ نمبر بتا دیا انہوں نے۔ میں پوچھتا ہوں دوبارہ۔ اور...افسوس ہوا تمہاری کزن کا سن کر۔'' غلط وقت پہ غلط جگہ پہ ہونے کا احساس ہوتے ہی وہ عجلت میں کہتا' اس کا کندھا تھپتھپاتا' جیب سے موبائل نکال کر مڑا۔

سرمد شاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک نظر اپنے ایس آئی پہ ڈالی' وہ بھی انہی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دم سرمد شاہ اس کے پیچھے لپکا۔ پیچھے کمرے کے دروازے کی ہلکی سی درز کھلی تھی جس سے بیڈ پہ لیٹی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہوش و خرد سے بے گانا۔ آکسیجن ماسک لگا تھا۔ بہت سی دوسری نالیاں بھی۔ اس کے بال بھورے سنہرے سے تھے اور کان کے قریب ان میں تتلی کی شکل کا نگوں والا کلپ لگا تھا۔

''کیا نام بتایا تم نے اپنی عزیزہ کا؟'' راہداری کے آخر میں اس نے نیاز بیگ کو جا لیا۔ جو موبائل پہ نمبر ملا کر کان سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ سرمد شاہ کے پکارنے پہ چونک کر گردن گھمائی۔

''ہاں وہ امینہ ہے' میری جاننے والی۔ ہسپتال والوں نے ابھی فون کر کے بتایا۔ میں پوچھتا ہوں ابھی۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو اے ایس پی؟''

وہ ذرا اکتایا۔ ''بھئی میں نہیں جانتا تمہاری کزن کو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہاری عزیزہ کی عیادت کرلوں۔'' اس نے ابرو سے اسے چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ تیز' جانچتی نگاہیں بار بار نیاز بیگ پہ ڈالتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کوفت کا شکار وہ پریشان ہونے لگا' مگر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ واپس استقبالیہ کاؤنٹر تک آپہنچے۔

''اوہ بی بی' کس کمرے میں بھیج دیا تم نے مجھے؟'' وہ بگڑ کر کہتا اسی نرس سے مخاطب ہوا۔ ''وہ تو کسی شزا بی بی کا کمرہ ہے۔''

''سر آپ نے شزا ملک کے کمرے کا ہی پوچھا تھا' تبھی میں نے روم نمبر سکس بولا۔'' وہ سادگی سے گویا ہوئی۔ سرمد شاہ نے پوری گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں نے امینہ امتیاز کا پوچھا تھا۔ ''تم لوگوں نے مجھے کال کر کے بلایا ہے۔'' ساتھ ہی حیران پریشان نگاہ اے ایس پی پہ ڈالی۔ جو بس چپ چاپ اسے گھور رہا تھا۔

''سوری سر' مجھے شزا ملک سنائی دیا تھا۔''

''امینہ امتیاز۔'' وہ جھک کر چیک کرنے لگی۔ ''یہاں تو کوئی امینہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ نہ ہم نے اس سلسلے میں کسی کو کال کی ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔ تم لوگوں نے مجھے ابھی کال کی' خود مجھے بلایا' خودکشی کا کیس تھا۔'' غصے سے لال پیلے ہوتے اس کے ماتھے پہ پسینہ آرہا تھا۔

''سر' یہ سارے فونز آپ کے سامنے رکھے ہیں' آپ کال ریکارڈز چیک کرلیں۔ ہمارے پاس کوئی امینہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ آپ نے خود ابھی شزا ملک کا پوچھا تھا مجھ سے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''تمہیں کس نمبر سے فون آیا؟'' وہ جو چپ کھڑا تھا' ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ نیاز بیگ نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔

''امینہ کے موبائل سے فون آیا تھا۔'' وہ واپس اسے کال بیک کرنے لگا۔

''گھنٹی جارہی ہے' کوئی اٹھا نہیں رہا۔ میں اس کے گھر دیکھتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ!'' ماتھے کو چھو کر عجلت میں اسے سلام کیا اور باہر کی طرف بڑھا۔ ایس آئی نے بے اختیار سرمد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوچتی نظروں سے نیاز بیگ کو باہر نکلتے دیکھ رہا تھا۔

''نیاز بیگ کی کار کون سی ہے امجد حسین؟'' اس نے سوچ میں ڈوبے پکارا۔

''سر' ہمیشہ نیلے رنگ کی نسان میں دیکھا ہے اسے۔''

''اور اس دن' ہمیں جو گمنام ٹپ موصول ہوئی تھی' یاد ہے؟ فون کرنے والی عینی شاہد نے کہا تھا کہ اس نے ایک آدمی کو شزا کو کار کی ڈگی سے نکال کر سڑک پہ پھینکتے دیکھا تھا۔ کون سی کار بولی تھی اس نے؟''

''نیلی نسان۔ مگر سر' ٹپ تو جھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔'' وہ خود متذبذب تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' سرمد شاہ کے چہرے پہ بے پناہ سختی در آئی۔ وہ باہر نکلا۔ ایس آئی فوراً پیچھے لپکا۔

دور' گاڑیوں کی قطار کی طرف نیاز بیگ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جارہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ مسلسل نمبر ملا رہا تھا۔ جب تک' وہ دونوں اس تک پہنچے' وہ نیلی نسان سے چند قدم دور تھے۔

''تمہاری امینہ نے فون نہیں اٹھایا؟'' خشک انداز میں اس نے پوچھا تو وہ چونک کر گھوما۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ در آیا۔

''اے ایس پی' میں پریشان ہوں اس ٹائم! امینہ گھر بھی نہیں پہنچی' اور فون بھی نہیں اٹھا رہی' کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔'' وہ ذرا جھنجھلایا ہوا' ذرا متفکر کہہ رہا تھا جب ایس آئی نے آواز دی۔ ''سر!''

سرمد شاہ نے اس طرف دیکھا۔ وہ چند قدم دور نیلی نسان کے ساتھ کھڑا ان کو بلا رہا تھا۔ نیاز بیگ فون کان سے لگائے جھلا کر بولے

جا رہا تھا' مگر سرمد شاہ سنے بغیر آگے آیا۔

نیاز بیگ کی کار کے ڈیش بورڈ پہ ایک موبائل تھرتھراتا ہوا جل بجھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی روشنی ونڈ اسکرین پہ عکس بنا رہی تھی۔ عکس پہ نیاز بیگ کا نام اور نمبر لکھا آ رہا تھا۔ سرمد شاہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا جو روشنی دیکھ کر اسی طرف آیا تھا۔

''تمہاری امینہ شاید اپنا فون تمہاری کار میں بھول گئی۔''

وہ حیران پریشان سا قریب آیا۔ موبائل دیکھ کر اس کے چہرے پہ شاک در آیا۔ تیزی سے کار کھولی اور موبائل نکال کر چہرے کے سامنے کیا۔ وہ امینہ کا ہی موبائل تھا۔ اس نے الجھن بھری نگاہیں اٹھائیں تو اے ایس پی تیکھی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''یہ ادھر کیسے....؟'' وہ کبھی ڈیش بورڈ کو دیکھتا' کبھی موبائل کو۔

''امجد حسین، ذرا گاڑی کی تلاشی لو۔ شاید امینہ بی بی بھی مل جائے۔'' اے ایس پی نے تحکم سے ایس آئی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا تو نیاز بیگ کی پریشانی پسِ منظر میں چلی گئی' اور ابرو تن گئے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے گھر جاتا ہوں۔'' ہاتھ جھلا کر قدرے کھردرے انداز میں کہتے ایس آئی کو روکا۔ ایس آئی نے اے ایس پی کو دیکھا۔ وہ آگے ہوا' اور نیاز بیگ کی آنکھوں میں دیکھتے تحمل سے بولا۔ ''نیاز بیگ' اس وقت مجھے غصہ دلا کر مجھے اپنا دشمن مت بناؤ۔ میں نے بڑے موقعوں پہ تمہارا ساتھ دیا ہے' اس لئے چپ چاپ یہاں کھڑے رہو۔'' پھر امجد حسین کو اشارہ کیا۔ ''گاڑی کھولو۔''

چند لمحوں بعد تین چار مزید اہلکار وہاں کھڑے تھے' ایس آئی ٹارچ سے اندر روشنی مارتا کار کی سیٹیں' خانے' کلوز کمپارٹمنٹ چیک کر رہا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ کمر پہ ہاتھ باندھے' پتھریلے تاثرات کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہا تھا اور نیاز بیگ تلملاتا ہوا سا کھڑا تھا۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔'' ایک سلگتی نظر سرمد شاہ پہ ڈال کر ہلکا سا بولا۔ سرمد شاہ خاموش رہا۔ ایس آئی اب ڈگی کھول رہا تھا۔

''میں پہلے مصیبت میں ہوں' اوپر سے تم کسی مشتبہ کی طرح میرے ساتھ برتاؤ کر رہے ہو۔ میں یہ بے عزتی بھولوں گا نہیں۔''

''سر!'' ایک دم ایس آئی سیدھا ہوا' اس کے چہرے پہ کوئی ایسا ہکا بکا تاثر تھا کہ سرمد شاہ فوراً ڈگی کی طرف آیا۔

''یہ دیکھئے۔'' اس نے ٹارچ کی روشنی ڈگی کے ایک کونے میں ماری۔ سرمد شاہ نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

وہاں ایک جگمگاتا ہوا تتلی کی صورت کا' تین انچ چوڑا ہیئر کلپ گرا تھا۔ اس میں چند ہلکے بھورے بال بھی اڑے تھے (اور چند بال فاصلے فاصلے پہ ڈگی میں بکھرے بھی تھے جو ابھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔) تتلی کے چند نگ جگمگا رہے تھے' اور باقی نگوں کو سوکھے خون کے دھبوں نے ماند کر رکھا تھا۔ شزا کا خون۔

سرمد شاہ کی آنکھوں میں سرخی ابھری۔ وہ تیورا کر اس کی طرف گھوما۔

''نیاز بیگ اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لو۔ رفیع محمد' اسے ہتھکڑی لگاؤ۔'' وہ غرایا تھا۔

''کیا بکواس....'' نیاز بیگ کی ساری جھلاہٹ ہوا ہوئی' وہ حیران پریشان سا آگے ہوا مگر ایس آئی کو تتلی نما کلپ اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالتے دیکھ کر اس کا چہرہ فق ہوا۔

''اوہ یہ میرا نہیں ہے.... یہ میری گاڑی میں کہاں سے۔ اوہ میری بات سنو۔''

سرمد شاہ نے پوری قوت سے اس کے منہ پہ گھونسا مارا۔ وہ ایک دم تیورا کر پیچھے کو گرا' مگر گرنے سے پہلے سرمد شاہ نے گریبان سے کھینچ کر اسے اٹھایا' اور اس کا خون دہ رستا چہرہ قریب کیا۔

''میں نے تمہیں کتنے کیسز سے نکالا' کیا اس لئے کہ تم میرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ ایسا کرو گے؟ تم (گالی) گھٹیا انسان! وہ

میری بہنوں جیسی تھی۔'' شاکڈ سے نیاز بیگ کو جھٹکے سے چھوڑا۔ ایک اہلکار نے اس کے ہاتھ موڑ کر پیچھے باندھے۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''نہیں نہیں' یہ کوئی گڑبڑ ہے' مجھے اس میں پھنسایا جارہا ہے' میں نہیں جانتا تمہاری بہن کو۔ میری بات سنو!'' وہ دو اہلکاروں کی آہنی گرفت میں پھڑ پھڑاتا چلا رہا تھا۔

''آئی جی صاحب کو فون لگاؤ' اور بولو... تھانے آجائیں۔'' سرمد شاہ سرخ چہرے کے ساتھ ایس آئی کو کہہ رہا تھا...

اور دور' سڑک کے اس پار' گرین بیلٹ کے ساتھ پارکڈ کار کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آواز سنائی نہ دیتی مگر وہ ایک منظر سو آوازوں پہ بھاری تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا' مگر آنکھوں میں سرد سی تپش بھی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی' اور کافی ریلیکسڈ سے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''آر یو شیور۔ اے ایس پی کو اصل معاملہ سمجھ نہیں آئے گا؟''

''میں اسے جانتی ہوں' کام کیا ہے اس کے ساتھ۔ اگر اس میں اتنی عقل ہوتی تو چار سال سے اسے ایس پی نہ ہوتا' سال ڈیڑھ پہلے ایس پی بن چکا ہوتا۔ یہ اس کے گھر کا معاملہ ہے۔ اس کی جج منٹ کو غیرت ڈھانپ دے گی۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی کہہ رہی تھی۔

''مگر اس کی جلد ہی ترقی ہونے والی ہے۔''

''اس کی ترقی کا انحصار اسی کیس پہ ہے۔ اس کو شزا کا مجرم مل گیا' یعنی اس کو ترقی مل گئی۔'' زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ دور نیاز بیگ سپاہیوں کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا' مسلسل چلا رہا تھا۔

''اب دیکھو' کون لڑکیوں کی طرح چیخ رہا ہے۔'' وہ اسی منظر کو دیکھتے' بولی تو لہجے میں نمی بھی تھی اور آنچ بھی۔ فارس نے ٹیک لگائے' گردن اس کی طرف موڑی۔

''کل جب امینہ اس سے لاک اپ میں ملے گی تو اس کی بات سن کر نیاز بیگ کو یہی لگے گا کہ اسے پولیس نے پھنسایا ہے اس کیس میں۔ ہمارے دشمن ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوں گے اور اس دفعہ ہم ان کا تماشہ دیکھیں گے۔'' وہ رکا۔ ''مگر شزا۔۔؟''

زمر نے گہری سانس لی۔ ''اس کے مجرم یقیناً چالاک لوگ ہیں' ان کو کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ بیچاری بچی شاید چند دن زندہ رہ پائے۔ مگر وہ نہ کبھی ہوش میں آئے گی' نہ کسی کو کچھ بتا پائے گی۔'' وہ ابھی تک پولیس موبائل کو دیکھ رہی تھی جس میں اب وہ چیختے چلاتے نیاز بیگ کو لا رہے تھے۔

''وہ کلپ جو میں نے اس کی ڈگی میں رکھا ہے' کیا اس کے خاندان والے پہچانیں گے نہیں کہ گو کہ وہ شزا کے کلپ کے جیسا ہی ہے۔ مگر اس کا نہیں ہے۔ کیا معلوم شزا کے پاس صرف ایک ہی کلپ ہو۔''

''اونہوں۔ وہ ڈیزائنر کلپ ہے' اور اس کے جیسا کلپ جو میں نے خریدا تھا' وہ اس وقت شزا کے بالوں میں لگا ہے۔ جس کلپ پہ اس کا بلڈ اور بال لگا کر سسٹر نے مجھے دیے تھے' وہ شزا کا اصلی کلپ ہے۔ وہ اسے فارنزک بھیجیں گے' ہر طرح سے چیک کریں گے۔ مگر شزا کے بالوں میں لگا کلپ کوئی نہیں چیک کرے گا۔'' سرسری سا بتا رہی تھی۔

''اوہ۔'' وہ چپ ہو گیا۔ پولیس موبائل اب دور جا رہی تھی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' پھر کچھ کہتے کہتے چپ ہوئی۔ پھر سامنے دیکھنے لگی۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر ہلکا سا بولی۔ ''گڈ جاب' فارس!'' اس کے لہجے میں نرمی تھی' مگر وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

''پلان آپ کا تھا۔ گڈ جاب ٹو یو! سو.... اب کس کی باری ہے؟'' کار ریورس کرتے اس نے پوچھا۔ سیڑھی کا پہلا زینہ ان کے قدموں تلے تھا' اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے ہر زینے کو اسی طرح روندنا تھا۔ یہ سعدی یوسف کو بچانے کا واحد طریقہ تھا۔

''بتاؤں گی۔ جب ضرورت پڑی تو!'' وہ پھر سے ویسی ہی روکھی ہوگئی۔ مگر ایک تبدیلی آئی تھی۔

کم از کم وہ وہ بات تو کرنے لگے تھے۔

ابھی وہ رستے میں تھے کہ زمر کا موبائل بجا۔ ڈاکٹر سارہ غازی۔

''جی ڈاکٹر سارہ۔'' اس نے مصروف سے انداز میں فون کان سے لگایا۔

''کچھ پتہ چلا سعدی کا زمر؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''کہاں سارہ؟ آپ بس دعا کریں۔ اچھا میرا کام ہوا؟''

''جی میں نے پتہ کیا تھا۔ نیسکام میں کوئی حلیمہ کام نہیں کرتی۔ ایک حلیمہ سرفراز ہے مگر وہ انجینئر ہے سیکرٹری نہیں۔'' زمر نے تکان سے آنکھیں میچ لیں۔

''نہیں' وہ حلیمہ ہی تھی۔ خیر تھینک یو۔ واپس آ کر چکر لگایئے گا۔ بچے آپ کو مس کرتے ہیں۔''

''جی، میں بس تھر میں پھنسی ہوں اتنے دن سے۔ سعدی کی پریشانی الگ، جیسے ہی آئی' چکر لگاؤں گی۔'' زمر نے فون رکھ دیا اور دوسری طرف....

.....دوسری طرف' اپنے بیڈروم میں کھڑی' سارہ نے بھی موبائل رکھ دیا۔ اور جیسے ہی وہ پلٹی' ذکیہ بیگم پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایک تاسف بھری نظر سارہ پہ ڈالی جو سادہ شلوار قمیص میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ ان کو دیکھ کر چونکی۔

''کیوں ان کو اوائڈ کر رہی ہو؟ تم پچھلے ایک مہینے سے' جب سے سعدی کھویا ہے' یہیں اس گھر میں قید ہو۔ پھر بار بار جھوٹ کیوں؟''

سارہ کی سبز نیلی آنکھوں میں نمی در آئی۔ ''میں ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتی۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ملی تو وہ جان لیں گے۔''

''کیا جان لیں گے؟'' وہ ذرا حیران ہوئیں۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

''امی' اس رات سعدی کے ساتھ اس گھر میں' میں تھی۔ امی میں نے اپنے سامنے اسے گولیاں لگتے دیکھا ہے۔ امی میں ہوں وہ گواہ جسے وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔''

❖❖❖

باب13:

''مَن الماس را بہ ملکہ دادم!''

(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا!)

وہ سورما ہوتے ہیں
جو پھینکتے ہیں گوٹ!
مگر وہ قسمت ہوتی ہے
جو شطرنج کھیلتی ہے!
اور تم بہت دیر سے جان پاتے ہو
کہ وہ کون تھا جو آغاز سے ہی
کھیل رہا تھا دونوں queens کے ساتھ!

(Terry Pratchett)

ذکیہ بیگم دل تھام کر رہ گئیں۔لب کھل گئے' اور آنکھوں میں بے یقینی پھیلی۔

''تم سارہ؟ تم ادھر تھیں؟ مگر.... کیوں؟'' سہارے کے لئے بیڈ کا کنارہ تھاما۔وہ بھی آہستگی سے بیٹھی۔آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

''اس نے مجھے وہاں بلایا تھا....'' سر جھکائے' انگلی سے ہتھیلی مسلتی' وہ بتانے لگی۔۔۔

ذرا دیر کے لیے ہم ایک ماہ قبل' اکیس مئی کی صبح تک پیچھے جاتے ہیں' جب سعدی' ہاشم کاردار کے آفس میں بیٹھا تھا' تو چند میل دور' اپنے آفس میں بیٹھی سارہ انٹر کام اٹھائے کہہ رہی تھی۔

''ماریہ' میں انسٹی ٹیوٹ جا رہی ہوں کلاس لینے' آپ یوں کرو' سعدی کو کہو کہ جو پریزنٹیشن اس نے.....''

''ڈاکٹر سارہ' سعدی آج نہیں آیا۔'' دوسری طرف سے اس کو عجلت میں ٹوکا گیا تو سارہ ذرا دیر کو رکی۔

''نہیں آیا؟'' ابرو بھینچے۔آنکھوں میں غصہ در آیا۔موبائل اٹھا کر کال ملائی۔

ہاشم کے آفس کے باہر حلیمہ بیٹھی کام کر رہی تھی جب ٹوکری میں رکھا سعدی کا موبائل بجنے لگا۔اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔''بلاکڈ نمبر کالنگ'' اور واپس کام کرنے لگی۔

سارہ نے فون رکھا تو چہرے پہ شدید ناراضی تھی۔کلاس لینے کے بعد وہ باہر نکلی تو دوبارہ سے اس کو کال ملائی۔اب کے اس نے

الحاد ہا۔

''جی؟'' وہ خود بھی اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

''سعدی یوسف' آپ آج آفس نہیں آئے۔'' دانت پہ دانت جما کر تحمل سے پوچھا۔

''مجھے.....کچھ کام تھا۔'' ہاشم کے آفس سے باہر سڑک پہ وہ گاڑی دوڑاتا گھر کی طرف جا رہا تھا۔

''آج پانچ بجے سے پہلے آ کر اپنا ٹرمینیشن لیٹر وصول کر لینا' سعدی۔ کیونکہ میں مزید تمہاری بے قاعدگیاں برداشت نہیں کروں گی۔ آج نہیں آ سکو تو کل آنے کی زحمت نہ کرنا' ہم لیٹر بھجوا دیں گے۔ خدا حافظ۔'' سختی سے بولی۔

''میں گھر جا کر آپ کو دوسرے نمبر سے کال کرتا ہوں' یہ فون بگ ہو رہا ہوگا۔'' اس نے ایسے عجلت میں کہا جیسے سارہ کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اف۔

شام کو وہ گھر پہ تھی جب اس کا موبائل بجا۔ ندرت بھابھی کالنگ۔

''جی بھابھی؟''

''بھابھی کا بیٹا بول رہا ہوں' وہ بھی خوبصورت والا۔'' وہ صبح کی نسبت ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ سارہ کے چہرے پہ خفگی در آئی۔

''ٹرمینیشن لیٹر پوسٹ کر دیں گے ہم۔ آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں نے اپنی باس کو نہیں' سارہ خالہ کو فون کیا ہے۔ ضروری بات کرنی ہے۔ اس کے بعد بے شک مجھے نوکری سے نکال دیجئے گا۔''

وہ ڈھیٹ ہوا تو سارہ کے چہرے کی خفگی کم ہوئی۔ اگر وہ پروجیکٹ ڈائریکٹر تھی، پروسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی تھی، تو وہ بھی سعدی تھا!

''بولو۔''

''شام کو میں ساری فیملی کو اپنے ریسٹورانٹ میں اکٹھا کر رہا ہوں' آپ بھی آئیں گی کیونکہ مجھے سب کو کچھ بتانا ہے۔''

''میں نہیں آ سکتی۔ جو بتانا ہے ابھی بتا دو۔''

''آپ کے شوہر کے قاتل سے ملا میں آج۔ اس سے اعتراف بھی کروا لیا۔ ثبوت بھی ہے میرے پاس۔ مجھے پتہ ہے آپ کو بدلہ لینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' مگر کم از کم یہ تو آپ..... جاننا چاہیں گی کہ آپ کو اپنے بچوں کو کس سے محفوظ رکھنا ہے۔''

اور سارہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑی سنتی گئی۔ پھر اس نے وہی کیا جو سعدی نے کہا مگر ایک چیز پہ وہ راضی نہیں ہوئی۔

''میں کسی فیملی ڈنر کا حصہ نہیں بنوں گی۔''

''او کے' آپ ہمارے گھر کے قریب جو پارک ہے' وہاں آئیں' ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں' اگر میں آپ کو راضی نہ کر سکا تو ٹھیک ہے' آپ وہیں سے گھر چلی جائیے گا اور میں ریسٹورانٹ۔''

وہ اتنے پہ راضی ہو گئی۔ صرف اتنے پہ۔

مغرب ڈھل چکی اور اندھیرا پھیل گیا تھا جب اس نے پارک میں بنچ پہ بیٹھے کلائی کی گھڑی دیکھی' اور پھر سعدی کو کال کرنے کے لئے فون نکالا۔ مگر اس کی تاکید یاد آ گئی۔ اس کا فون ممکنہ طور پہ بگ ہو رہا ہوگا (گو کہ ایسا نہیں تھا مگر وہ احتیاط کر رہا تھا) سو اس نے صرف پیغام بھیجا۔ ''کدھر ہو؟''

جواب ذرا دیر سے موصول ہوا۔ ''اسٹریٹ نمبر فورٹین میں رائٹ لین میں جو زیرِ تعمیر گھر ہیں' ان میں سبز گیٹ والے گھر کے اندر آ جائیں' میں آ رہا ہوں۔ ریسٹورانٹ نہیں آ سکتیں تو اتنا تو کرنا پڑے گا۔''

اب یہ سب سارہ کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا' مگر وہ سعدی تھا۔ اس کو میلوڈرامہ کی عادت تھی' یقیناً کوئی وجہ تھی' جب ہی وہ کہہ رہا تھا۔ وہ پیدل چلتی چند گلیاں عبور کر کے اس گھر کے اندر چلی آئی۔ رات کا وقت' سنسان گلی' مہیب تاریکی۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ وہ اس پراسرار منظرنامے سے نہ ڈری نہ گھبرائی۔ بس اس گھر کے پورچ میں بار بار گھڑی دیکھتی' ٹہلتی رہی۔ وہ عمر اور تجربے کے اس حصے میں تھی جہاں انسان جنات اور بھوت پریت سے نہیں ڈرتا۔ صرف انسانوں سے ڈرتا ہے۔

گیٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ مڑی۔ جھنجھلا کر کہنے لگی۔ ''سعدی اتنا ڈرامہ کرنے کی...'' مگر وہ ''شش'' منہ پہ انگلی رکھتا تیزی سے قریب آیا۔ سارہ رک گئی۔ وہ بار بار... گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا تھا۔

''آپ یوں کریں' ریسٹورانٹ جائیں' میں....''

''سعدی میں نے بتایا ہے میں ادھر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں مجھے کچھ بتانا ہے تو بتاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔''

'شش آہستہ۔'' اس نے پھر گردن موڑی۔ پھر ذرا خفگی سے اسے دیکھا۔ ''میرے پیچھے کوئی لگا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اس کے پاس گن ہے۔'' (سارہ کا منہ کھلا) ''نہیں وہ' مجھے کچھ نہیں کہے گا' وہ میرا دوست ہے' مگر آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ آپ یوں کریں' ریسٹورانٹ جائیں' اور یہ...'' اس نے چابیوں کا گچھا نکالا۔ (علیشا کے کی چین سے اس نے چھ انچ کا ایک سلور پین بھی نتھی کر رکھا تھا۔) اور اسے سارہ کے ہاتھ میں تھمایا۔ ''یہ جا کر زمر کو دیجئے گا۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ہے' پلیز اسے مت کھوئیے گا' بس زمر کو دے دیں' اور کہنا سعدی آ رہا ہے۔ پھر بے شک گھر چلی جائیے گا' میں بعد میں وضاحت کر دوں گا۔''

''سعدی یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم....'' وہ پریشان ہونے لگی۔

''ڈاکٹر سارہ جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کریں۔ جائیں۔ جلدی۔'' سارہ نے اثبات میں سر ہلایا اور جانے کے لئے مڑی۔ ساتھ ہی پاؤچ کھول کر اندر کی چین رکھا' تبھی پاؤچ میں رکھا موبائل زور سے چیخا۔ کوئی کال آ رہی تھی۔ اندھیر سناٹے میں آواز گونجی۔ باہر گلی میں شیرو کو لگا کہ سعدی اپنا فون سائیلنٹ کرنا بھول گیا ہے۔ مگر وہ سارہ کا فون تھا.....

''اوہ ڈیم!'' سعدی نے تیزی سے اس کا فون جھپٹا اور اسے سائیلنٹ کیا۔ اور ذرا فکرمندی سے گیٹ کی طرف دیکھا۔

''وہ ادھر ہی آ جائے گا۔ اوپر سیڑھیوں سے جائیں' ساتھ والے گھر کی چھت پھلانگ لیں' اور سنیں' وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا' بس جو ہو جائے' آپ نے سامنے نہیں آنا۔ چاہے جو بھی ہو جائے۔ اب جائیں۔'' کندھے سے تقریباً اس نے سارہ کو دھکیل دیا۔ اس وقت بھی صرف سارہ کی فکر تھی۔ شیرو نے دیکھ لیا تو سمجھے گا کہ وہ سارہ کو سب بتا چکا ہے' اور پھر سارہ کو وہ نقصان پہنچائیں گے۔

سارہ کے مختل حواس بالآخر کام کرنے لگے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں تک آئی۔ سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑی اور زینے پھلانگ گئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور تبھی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ سارہ اوپر آ گئی۔

اوپری چھت خالی تھی۔ سرے' ستون آدھی دیواریں۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی' سہج سہج کر قدم رکھتی' ذرا آگے آئی' تبھی اس نے وہ آواز سنی۔ نیچے سعدی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ فارس کی آواز۔ نہیں۔ نوشیرواں؟ اس کی آواز فارس سے ملتی تھی۔

سارہ واپس مڑی اور سیڑھیوں کے دہانے تک آئی۔ ذرا سی گردن نکال کر جھانکا۔ وہ نوشیرواں تھا اور وہ سعدی پہ پستول تانے ہوئے تھا۔ ایک لمحے کے لئے نظروں کے سامنے اس کی نظروں میں وارث کی پنکھے سے لٹکتی لاش گھوم گئی۔ وہ دم سادھے' سن سی کھڑی رہی۔ اس نے چند الفاظ سنے۔ وارث کو انہی لوگوں نے مارا ہے۔ وارث کو ہاشم نے مارا ہے۔ اس کی نگاہیں نوشیرواں کے پستول تانے ہاتھ پہ تھیں' اور ذہن... ذہن سن سا تھا۔ مگر نہیں۔ اسے ان الفاظ کی فی الحال کوئی سمجھ نہ تھی۔ بس اسے سعدی کی فکر تھی۔ اندھے کو بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ گولی چلا

ے گا۔اور سعدی اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کیا کرے؟ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔کوئی پتھر جسے وہ شیرو کے سر پہ مار سکے، مگر اس نے دیکھا' اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ لیں' وہ عورت تھی' کمزور تھی۔وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔پھر کس کو بلائے؟ فارس؟ نہیں۔پولیس۔ہاں... پولیس۔سائرن سنتے ہی وہ بھاگ جائے گا۔

ڈاکٹر سارہ غازی نے اگلا فیصلہ لمحوں میں کیا تھا' اور لمحوں میں ہی وہ ننگے پیر چلتی ساتھ والے گھر کی چھت تک آئی۔دونوں چھتیں ملی ہوئی تھیں۔مگر وہ ایسی جگہ نہ تھی کہ وہ پھلانگ سکے۔اس نے کونے میں (نوشیرواں سے حتی الامکان دور) کھڑے ہو کر موبائل پہ پولیس کو کال کی۔(اس کا نمبر پرائیوٹ تھا' کال ٹریس نہ کی جا سکتی تھی۔) مدھم سرگوشی میں جلدی جلدی ان کو سمجھایا کہ اس ایڈریس پہ ایک شخص فائرنگ کر رہا ہے' اور وہ جلدی پہنچیں۔انہوں نے ایڈریس کنفرم کیا اور اسے تسلی دی کہ ایک موبائل اس علاقے میں گشت کر رہی ہے' وہ جلد پہنچ جائیں گے۔

''آپ کون ہیں اور کدھر سے بول رہی ہیں؟''

''میں.....ہمسائے سے بول رہی ہوں۔''

''اوکے' آپ اس شخص سے دور رہیں' کہیں چھپ جائیں' پولیس کے آنے تک باہر نہ نکلئے گا۔'' اس نے پوری بات سنے بغیر فون بند کیا اور بلی کی چال چلتی واپس آئی' سیڑھیوں کے دہانے پہ رکی۔سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں جو پریشانی اور فکرمندی سے سکڑی تھیں' خوف اور وحشت سے پھیلتی گئیں۔

سعدی گرا پڑا تھا' اور وہ کراہ رہا تھا۔اندھیرے میں خون کا رنگ دکھائی نہ دیتا تھا مگر اس کی سفید شرٹ درمیان سے سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔سارہ نے چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔پھر اس کی آنکھوں کے سامنے' نوشیرواں نے اسے دو گولیاں مزید ماریں۔گولی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ایک کلک ہوتا تھا اور زمین پہ گرا لڑکا کراہتا تھا۔پھر وہ اسے بوٹ سے ٹھوکریں مارنے لگا۔وہ اسے مارتا جا رہا تھا اور اوپر سیڑھیوں کے دہانے پہ ملک کی پہلی پی ایچ ڈی اِن پراسیس ڈیزائن' نیسکام کی زمین سے فضا اور فضا سے فضا میں مار کر دینے والا میزائل بنانے والی سائنسدان اور تھرکول کی پراجیکٹ ڈائریکٹر ڈاکٹر سارہ غازی کپکپا رہی تھی۔اس کا دل لرز رہا تھا اور رنگ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔اس نے کتنی دفعہ کمزور ہاتھوں سے پتھر اٹھایا' مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اسے کھینچ کر دے مارے۔ہر ٹھوکر کے بعد وہ جیسے جانے کو مڑتا' پھر رک کر سعدی کو مارتا۔

وہ بس لمحے گن رہی تھی' ادھر وہ نکلے' اور ادھر سارہ سعدی کو فوراً اٹھا کر ہسپتال لے جائے۔بالآخر وہ جانے کے لئے مڑا مگر جاتے جاتے اس نے پوری قوت سے سعدی کے منہ پہ بوٹ مارا تھا۔سارہ کی آنکھوں میں ایک دم بہت سا پانی اترا۔اس نے پتھر اٹھایا اور اسے ہوا میں بلند کرتے ہوئے لبوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی۔وہ کتنی مشکل سے چیخیں' آنسو' بددعا' سب کو روکے بیٹھی تھی' یہ وہی جانتی تھی۔

اور یہ کراہ نوشیرواں تک بھی پہنچی تھی' جب وہ ایک دم گھوما۔سارہ فوراً دیوار کی اوٹ میں ہو گئی۔''اے....کون ہے ادھر؟'' وہ احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔سارہ گہرے گہرے سانس لیتی' دیوار سے کمر ٹکائے کھڑی رہی۔پھر اسے گولیوں کے کلک اور ان کے سیڑھیوں اور دیوار سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔

گولیوں کے بارے میں خبریں سننا' اور ان کو فلموں اور ویڈیو گیمز میں دیکھنا اور بات ہوتی ہے' مگر ان کو خود پہ برستے دیکھنا... یہ زندگی کے تکلیف دہ تجربات میں سے ایک ہے۔سارہ نے آنکھیں بند کر لیں' اس کا سارہ وجود کانپ رہا تھا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔اس نے چند لمحے انتظار کیا' پھر اوٹ سے نکلی' نوشیرواں جاتے جاتے اسی پل واپس مڑا۔اور اندھیرے میں سارہ کا ہیولہ سا فوراً اوٹ میں ہو گیا۔اسے لگ رہا تھا وہ ابھی آئے گا اور اسے بھی گولیوں سے بھون دے گا' مگر ایسا نہیں ہوا۔وہ گیٹ عبور کر کے باہر

نکل گیا۔

وہ دوڑ کر نیچے آئی۔ سعدی زمین پہ گرا کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''سعدی!'' اس نے جھنجھوڑا۔ اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ سعدی نے غنودہ سی آنکھیں کھولیں اسے دیکھ کر ان میں کوئی احساس نہ جاگا' بس وہی غنودہ' صدماتی' بے یقین سی کیفیت۔

''میں نے پولیس کو کال کر دی تھی۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' وہ اس کے زخم پہ ہاتھ رکھتی کہہ رہی تھی۔ خون بہے جا رہا تھا۔ سارہ کا لباس لہولہان ہو رہا تھا۔

دور پسِ منظر میں مدھم سے سائرن سنائی دے رہے تھے۔

سعدی کی نیم جان آنکھیں اس کی آنکھوں پہ جا ٹھہریں۔ اس نے لب کھولے۔

''ڈاکٹر... سارہ...'' کوئی ریلیشن شپ ٹائٹل استعمال کیے بغیر اس نے سرگوشی میں... حلق سے بمشکل الفاظ باہر نکالے۔

''رن... فار...'' اس کے لبوں سے خون بہنے لگا تھا' مگر سارہ کا پورا وجود سن ہو گیا۔ اسے معلوم تھا وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ رن فار یور لائف۔ اپنی زندگی کے لیے بھاگو۔ ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ جانے کا۔ نکل بھاگنے کا۔ یہ وہ سعدی نہیں تھا جس نے کچھ دیر پہلے بہت اعتماد سے کہا تھا کہ وہ میرا دوست ہے، مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ یہ وہ سعدی تھا جس کے یقین کے چہرے پہ ابھی وہ بوٹ مار کر گیا تھا۔

سائرن اب قریب ہوتے سنائی دے رہے تھے۔ بجلی آ گئی تھی۔ گلی روشن ہو گئی تھی۔

سارہ ایک دم اٹھی اور باہر کو بھاگی۔ گیٹ پورا کھول دیا۔ پھولے سانس' تیز دھڑکن' اور بے جان ہوتے وجود کے ساتھ وہ تیز تیز دوڑ رہی تھی۔ نگاہوں میں ایک ہی شے تھی۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش۔ وہ راستے میں دو جگہ گری' گھٹنے رگڑے گئے' ہتھیلیاں چھل گئیں' مگر وہ پھر سے اٹھ کر دوڑنے لگی۔ سائرن اب اسی گلی سے سنائی دے رہے تھے۔ لوگوں کی آوازیں بھی۔ ان کو سعدی مل گیا تھا۔ وہ مزید تیز دوڑتی گئی۔ یہاں تک کہ پارک کے قریب کھڑی اپنی کار تک پہنچ گئی۔ اندر بیٹھ کر' تیز تیز سانس لیتے' اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

موبائل فرنٹ سیٹ پہ ڈالا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے تو وہ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ دل بند ہونے کو آتا تھا۔ اور یہ تب تھا جب اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں' اور اسے احساس ہوا کہ اس کا پاؤچ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

سارہ نے وحشیانہ انداز میں کپڑے جھاڑے' سیٹ پہ چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ گاڑی سے نکل کر دیکھا۔

پاؤچ ندارد تھا۔ سعدی کی چابیاں' سعدی کا پین۔ اس نے کھو دیا تھا۔ مگر اس وقت سعدی زیادہ اہم تھا۔

آخر وہ صرف ایک پین ہی تو تھا!

اس نے لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اسے واپس اسی گلی کے دہانے پہ جانا تھا' اور ایک فاصلہ رکھ کر پولیس کی موبائل کو فالو کرنا تھا۔ وہ سعدی کو جب تک ہسپتال پہنچتا نہیں دیکھ لے گی' اسے چین نہیں آئے گا۔۔۔

''پھر میں نے ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ اسے ہسپتال لے گئے تو میں واپس آ گئی۔ ان کے ریسٹورانٹ کال کر کے ملازم کو میں نے ہی بتایا کہ وہ کس ہسپتال میں ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ گھر آ کر میں کمرے میں بند ہو گئی، کپڑے بدلے۔ صبح کار کی سروس بھی کروائی۔ سارے نشان مٹا دیے۔ اسی صبح میں نے دو جمع دو کر لیے تھے، اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وارث کو بھی انہی لوگوں نے مارا ہے۔'' اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی سارہ' جھکے چہرے اور آنسوؤں کے ساتھ بتا رہی تھی اور ذکیہ بیگ حق دق سنے جا رہی تھیں۔

''مگر وہ کون تھا؟ جس نے گولی چلائی؟''

سارہ نے نفی میں چہرہ ہلایا۔ ''میں نہیں بتا سکتی۔ ان لوگوں نے وارث کو بھی مارا' وہ میرے بچوں کو بھی مار دیں گے امی۔ اگر میں نے زمر کو بتایا تو وہ کہے گی کہ گواہی دو۔ میں گواہی نہیں دے سکتی۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے جیسے سعدی کو مارا ہے' وہ منظر مجھے نہیں بھولتا۔''

''مگر تم ان کو اتنا تو بتا دو کہ یہ کس نے کیا ہے؟''

''میں نے بتایا تو زمر کو پتہ چل جائے گا کہ میں ہی وہ گواہ ہوں، جس کو وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ وہاں کوئی تھا' مجھے عین نے بتایا ہے۔ زمر کہے گی' گواہی دو' وہ میری جگہ ہوتی تو دے دیتی گواہی' اس کے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ہے۔ میری بیٹیاں ہیں۔ امی جب کوئی مر جائے تو واپس نہیں آتا۔ وہ لوگ کس طرح اسے ہسپتال سے لے گئے۔ انہوں نے اس کو مار کر لاش بھی غائب کر دی ہوگی۔ وہ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی کریں گے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی' روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم کا دل بھر آیا۔ انہوں نے اس کا شانہ تھپکا۔

''مگر زمر کہتی ہے وہ زندہ ہے۔''

''امی زمر نے نہیں دیکھا تھا اسے سعدی کو قتل کرتے۔ میں نے دیکھا تھا۔ اور اسے ہسپتال میں نے پہنچایا تھا۔ آپ مجھے بزدل سمجھتی ہیں تو سمجھیں، مگر وہ میں ہوں جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اسے لے گئے۔ جتنی بے رحمی سے اس کو وہ مار رہا تھا، اس کے بعد وہ اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ امی سعدی مر چکا ہے، کیونکہ اس نے وارث کے قاتلوں کو کنفرنٹ کیا تھا۔ میں اگر سعدی کے قاتل کو کنفرنٹ کروں گی تو ہم سب بھی مریں گے۔'' وہ ایک دم وحشیانہ انداز میں چلائی تھی۔ ''مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے، مگر میری بیٹیاں ہیں دو! اور.... اور یہ لوگ جو سوشل میڈیا پہ سعدی کے نام سے تحریک چلا رہے ہیں، امی ان میں سے کسی کو عدالت آنا پڑے تو کوئی بھی نہیں آئے گا۔ ہر کوئی زمر نہیں ہوتا۔''

''اور وہ جو چیزیں سعدی نے تمہیں دی تھیں؟ وہ نہیں ملیں؟''

''نہیں' میں بعد میں دوبارہ اس علاقے میں گئی تھی۔ ہر وہ جگہ دیکھی جہاں سے گزری تھی۔ مگر میرا پاؤچ نہیں تھا۔ اس میں میری ایک رنگ تھی' پیسے تھے' اور سعدی کی چابیاں بھی۔ پھر سعدی کی گمشدگی کے کوئی چار دن بعد میں اس زیرِ تعمیر مکان میں گئی۔ وہاں اوپر چھت پہ، جہاں میں نے چھپ کر پولیس کو فون کیا تھا، وہاں اب بجری کا ڈھیر رکھا تھا۔ میں نے بجری ہٹائی تو ایک کونے میں جہاں اس رات سیمنٹ کچی تھی، اب پک کر سخت ہو چکی تھی، اس میں میرے پاؤچ کے دو موتی اٹکے تھے۔''

ذکیہ بیگم کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔ ''مطلب؟''

''میں نے وہیں رکھا ہوگا پاؤچ، سیمنٹ کچی تھی، وہ اس سے چپک گیا۔ بعد میں کسی نے اسے کھینچ کر اتارا تو موتی اندر ہی اٹکے رہ گئے۔ یہ پولیس کا کام نہیں ہو سکتا تھا، کسی مزدور نے کیا ہوگا اور پھر اس جگہ بجری ڈال دی۔ پاؤچ میں میرے پیسے تھے، ہیرے کی انگوٹھی تھی اور وہ کی چین تھا۔ پھر میں اس گھر کے ٹھیکیدار سے ملی، اسے بتایا کہ میں ایک وکیل ہوں اور ادھر میرا پرس گرا تھا۔ اس نے کہا کہ دس ہزار دوں تو پرس واپس لا دے گا۔ میں نے دے دیے۔''

''پھر؟'' ذکیہ بیگم دھیان سے سن رہی تھیں۔

''تین دن بعد میں دوبارہ گئی تو اس نے کہا کہ کسی مزدور نے اٹھایا تھا پرس، اور اس نے وہ مجھے واپس کر دیا۔ اندر پیسے اور انگوٹھی ویسی ہی رکھی تھی۔ مگر سعدی کا کی چین نہیں تھا۔''

''مگر وہ کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں پتہ، مگر کیا فرق پڑتا ہے امی؟ جب سعدی نہیں رہا تو کیا فائدہ کسی دوسری چیز کا؟'' وہ گھٹنوں میں سر دیے کتنی دیر روتی رہی۔ پھر بالآخر اس نے چہرہ اٹھایا۔ آنسو پونچھے۔

''کچھ دن میں' میں چلوں گی ان سے ملنے۔مگر ابھی نہیں۔مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔'' مگر ذکیہ بیگم جانتی تھیں کہ چونکہ اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے تو اب وہ جلد سنبھل جائے گی۔وہ افسوس سے اسے دیکھے گئیں۔

نہ وہ بہادر تھی نہ بزدل۔

وہ ایک ماں تھی۔

.....❖❖❖.....

میرے ہونے کی خود کوئی توجیہہ کر ..... مجھ کو لگنے لگا ہے کہ بے سود ہوں !

رات انیکسی پہ گہری ہو رہی تھی۔رمضان کے باعث بتیاں روشن تھیں۔بڑے ابا لاؤنج میں وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے' اور صداقت ان کے پیر کے ناخن کاٹ رہا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا تو ابا نے گردن موڑ کر دیکھا۔زمر اندر داخل ہو رہی تھی۔فارس پیچھے تھا۔دونوں کے چہروں پہ ایک ہم آہنگ سا اطمینان بکھرا تھا۔نیاز بیگ کو گرفتار ہوئے دو گھنٹے ہی تو ہوئے تھے۔

''میں اپنے پرائیوٹ نمبر سے لوکل چینلز کو کال کرنے جا رہا ہوں، صبح تک شزا ملک کیس کے ملزم کے پکڑے جانے کی خبر عام ہو گی۔اے ایس پی کو اتنی شہرت اور ہائپ ملے گی کہ پھر وہ نیاز بیگ کو باہر نہیں آنے دے گا۔''

''او کے۔'' زمر نے سر ہلا دیا۔

اور بڑے ابا نے صرف دور سے دیکھا' کہ وہ دونوں سرگوشی میں بات کر رہے تھے۔کوئی اطمینان سا تھا جو ان کے رگ و پے میں اترتا گیا۔

صداقت فوراً سے اٹھا۔استری کے اسٹینڈ سے فارس کی شرٹ اٹھا لایا۔

''فارس بھائی، یہ جل گئی۔'' شرٹ سامنے کی۔شرمندگی سے سر بھی جھکایا۔

زمر نے چونک کر شرٹ کو دیکھا، اس کی تیوری چڑھی، پھر ذرا تھمی، فوراً سے فارس کو دیکھا۔(یہ ابھی صداقت کو ڈانٹے تو سہی! میں اس کو.....)

''وہ بلیک والی پریس کر دو پھر۔'' فارس نے بس ایک نظر اس شرٹ کو دیکھا، اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔زمر کے لب ذرا کھل گئے۔قدرے تعجب سے اس نے فارس کو جاتے دیکھا۔

''اس نے کچھ بھی نہیں کہا؟''

صداقت نے بہت تسلی آمیز انداز میں ہاتھ جھاڑے۔''پچھلے ہفتے بھی ایک جلائی تھی،، تب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔''

زمر کھول کر اس کی طرف مڑی۔اگلے دس منٹ تک صداقت نے سر جھکا کر اس کی صلواتیں سنیں جن میں مسلسل ''صداقت آپ کا دھیان کہاں ہوتا ہے؟ آپ یہ اور آپ وہ'' کی تکرار تھی۔

اور اوپر چڑھتے فارس نے سر جھٹکا تھا۔(ملازم آپ ہے، اور شوہر تم ہے؟ یہ عورت کبھی نہیں سیدھی ہو گی!)

چند منٹ بعد' زمر کے کمرے کی بتی بجھی تھی' اور وہ بیڈ پہ لیٹی تھی۔(فارس کمرے میں نہیں تھا۔) کھلی آنکھوں سے چھت کو دیکھتے' اس کے سامنے ایک منظر فلم کی طرح چل رہا تھا۔چار سال پہلے....

آفس میں بیٹھی زمر' اور سامنے بیٹھے بصیرت صاحب۔وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔''فارس غازی کی گاڑی سے پولیس نے وہ رسی کور کی ہے جس کے ذریعے وارث غازی کا گلا گھونٹا گیا تھا۔''

''جی' فارس آیا تھا میرے پاس' اس نے کہا کہ اسے سیٹ اپ کیا گیا ہے۔'' وہ فائل پہ لکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''زمر صاحبہ' یہ فارس کیسا آدمی ہے؟ مطلب کہ ایک ایورتج مجرم تو ایسے ثبوت کار میں چھوڑ سکتا ہے' ہم روز ایسے بیسوں کیسز دیکھتے ہیں' مگر ایک کرمنلی اسمارٹ آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔''

زمر پین لبوں پہ رکھے کچھ دیر سوچے گئی۔ ''سچ بتاؤں تو میں اس کو نہیں جانتی۔ کچھ مہینے میرے پاس پڑھا ہے وہ' پھر بس کبھی سر راہ ملاقات ہوگئی تو ہوگئی۔ کم گو ہے' ہاں اگر بولے تو نپی تلی بات کرتا ہے۔ سمجھدار لگتا ہے مجھے' ذرا غصے کا تیز ہے' مگر... کرمنلی اسمارٹ ہے یا نہیں' ایسی باتیں تو کسی کے ساتھ رہ کر ہی پتہ چل سکتی ہیں۔ اس لئے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ویسے ایک ایجنسی میں اچھی پوسٹ پہ ہے' ایسے ہی تو نہیں گیا ہوگا نا۔''

''میڈم ایجنسیز میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' فزیکل فٹنس بھی میٹر کرتی ہے' شخصیت بھی میٹر کرتی ہے' سب بہترین اور اسمارٹ نہیں ہوتے۔''

یہ زمر اور زرتاشہ کو گولی لگنے سے پہلے کی گفتگو تھی جو آج رات ویسے ہی اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔

(میں ایک مہینے سے اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ سعدی کو کھوئے ایک مہینہ ہوگیا اور یہ....) اس نے گردن موڑ کر ٹیرس کی طرف دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ (اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ کتنی احتیاط سے ہر شے کی۔ ایک ایک چیز کا خیال رکھا۔ تو پھر یہ اپنے بھائی کو مار کر ثبوت گاڑی میں کیوں چھوڑے گا؟ پہلے تو تم اس کو نہیں جانتی تھی' مگر اب جاننے لگی ہو' تو کیا ہے جو تمہیں کھٹکنے لگا ہے زمر؟) وہ سوچے گئی۔

فارس اور زمر کے کمرے اور ندرت اور حنین کے کمرے کا ٹیرس مشترکہ تھا۔ وہاں ایک کین کا صوفہ بچھا تھا۔ فارس اس پہ بیٹھا تھا اور پاؤں لمبے کر کے ریلنگ پہ رکھے تھے۔ سامنے ہاشم کے کمرے کی بالکونی پہ نگاہیں جمائے وہ کچھ سوچے جا رہا تھا۔

''آپ ادھر کیوں بیٹھے ہیں؟'' حنہ ساتھ آ کر بیٹھی تو وہ چونکا۔ پھر ٹیک لگائے رکھے' بس گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل ہاتھ میں لئے' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' ساتھ آ بیٹھی تھی۔

''یونہی۔''

''پھپھو نے کمرے سے نکال دیا؟'' حنہ نے آنکھیں اس پہ جمائے' سنجیدگی سے پوچھا۔ فارس نے ''اف'' کہہ کر چہرہ واپس سامنے کر لیا۔

''یہ ہاں والا ''اف'' تھا یا ''میری ذاتیات میں مداخلت نہ کرو'' والا اف تھا؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''مجھے بھی نہیں آ رہی۔'' اس نے ایک مایوس نگاہ سیل فون پہ ڈالی۔ (ہاشم کو کتنی دیر ہوئی ٹیکسٹ کیا تھا' مگر کوئی جواب نہیں۔ سامنے اس کے کمرے کی بتی بھی بجھی تھی۔ گھر نہیں تھا شاید) اور گھٹنے ملائے ٹیک لگائے پیچھے ہو کر بیٹھی رہی۔

''سعدی اس وقت کیا کر رہا ہوگا حنین؟'' وہ دور آسمان کو دیکھ رہا تھا' چہرے سے تھکا تھکا لگتا تھا۔ حنہ کی آنکھوں میں اداسی آ گئی۔ اس نے اپنا سر فارس کے کندھے پہ رکھ لیا۔

''میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔ میرا دل گھٹتا ہے۔ وہ کہیں کسی جگہ محبوس ہوں گے' اور ان کے مجرم آزاد گھوم رہے ہیں۔''

''اونہوں۔'' فارس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''اب ان میں سے کوئی آزاد نہیں گھومے گا۔ جب تک میں زندہ ہوں' نہیں!''

''مجھے نہیں آتا اب کسی بات پہ یقین!''

اس نے بازو حنہ کے کندھوں کے گرد حمائل کر اس کے بال تھپکے اور نگاہیں دور آسمان پہ جمائے کہنے لگا۔ ''حنہ کیا ہم لوگ تمہارے لیے کچھ نہیں ہیں؟ کیا سعدی کے جانے سے تم ہم اس سے بھی الگ تھلگ رہا کرو گی؟''

وہ شرمندہ ہوگئی۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر تم زمر سے ایسے بات کیوں کرتی ہو؟''

آئی رئیلی ہیٹ ہر۔'' خفگی سے قصر کو دیکھتی' وہ کہہ رہی تھی۔

''اونہوں۔ تم اس سے نفرت نہیں کرتی۔ تم اس سے ناراض ہو۔''

حنین ناراضی سے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

''تم سارا وقت کمرے میں کیوں بند رہتی ہو؟ ہمارے ساتھ کیوں نہیں آتی؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں ایک ناکام انسان ہوں۔ میرے اندر بہت سارا شر ہے۔ میں جب بھی کسی چیز میں ہاتھ ڈالوں گی' اسے بگاڑ دوں گی۔''

''مگر تم وہ تو کر سکتی ہو جو زمر نے تمہیں کہا ہے۔ یہ انتقام اور انصاف کا واحد طریقہ ہے۔''

''میں ان کے حکم کی غلام نہیں ہوں آپ کی طرح۔'' اس نے خفگی سے فارس کے کندھے سے سر ہٹایا اور آگے ہو کر بیٹھی۔ ''بھائی کہتا تھا' انتقام کے لئے چیونٹیاں بن کر کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک فیملی بن کر۔ ایسے نہیں ماموں کہ وہ جب چاہیں' مجھے آرڈر دے کر چلی جائیں' میری فیلنگز کا خیال رکھے بغیر۔ وہ کون ہوتی ہیں مجھے آرڈر کرنے والی؟'' وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارے بھائی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ چیونٹیوں کی ایک ملکہ بھی ہوتی ہے؟''

ایک ثانیے کو ساری فضا ساکن ہوگئی۔ حنین بالکل ٹھہر گئی۔ وہ گردن تلے اب بازوؤں کا تکیہ بنائے' نیم دراز' پرسکون سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو حنہ کا دل نرم موم ہونے لگا' مگر پھر اس نے گردن کڑائی۔ (سامنے ہاشم کے کمرے کی بتی جلی تھی)

''وہ میری ملکہ نہیں ہوسکتیں۔ کبھی بھی نہیں۔ آپ مانیں ان کا حکم۔''

''تمہیں لگتا ہے میں اس کے حکم پہ چلتا ہوں؟''

''کیا میں دیکھ نہیں رہی؟ آپ وہی کر رہے ہیں جو وہ حکم دے کر چلی جاتی ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ حنہ کو اس کا ہنسنا اچھا لگا۔ کتنے عرصے بعد اس نے فارس کو ہنستے دیکھا تھا۔

''یہ جو تمہاری پھپھو جیسی عورتیں ہوتی ہیں نا، ان کو بہت تکنیک سے قابو کرنا پڑتا ہے، اور میں وہی کر رہا ہوں۔''

حنہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مطلب؟''

''مطلب کہ پہلے انہیں یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ ایک ملکہ ہیں، ہر فیصلہ انہی کا مانا جائے گا، اور آپ صرف ان کی مدد کے لیے ہیں۔ پھر جب وہ آپ کی عادی ہو جائیں تو کنٹرول ان کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ لے لیا جاتا ہے۔'' تکان سے مسکرایا۔

حنہ کے اندر کی دودھیالی محبت جاگنے لگی، اور وہ خفگی سے اس کو سخت سنانے لگی تھی مگر تب ہی موبائل وائبریٹ ہوا۔ (آہ)۔ وہ اسے شب بخیر کہتی اٹھ گئی، پھر جاتے جاتے مڑی۔ ''مجھے موبائل لینا ہے' میرا اپنا فون۔ آپ لا دیں گے؟ مگر پیسے امی دیں گی۔''

''ہاں' ایک فون خریدنے سے میں تو غریب ہو جاؤں گا۔''

''نہیں' پلیز' صبح امی آپ کو پیسے دے دیں گی' آپ لے لینا' ورنہ وہ ناراض ہوں گی۔''

''اپنی امی سے کہو' اتنا....'' وہ رک گیا۔ سر جھٹکا۔ ''اچھا صبح بات کرتے ہیں۔''

''شب بخیر ماموں۔'' ہلکا سا مسکرا کر کہا تو وہ جواب دے کر پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

وہ جس کو بھلانے میں کئی سال لگے تھے

اک لمحہ غفلت میں در آیا وہی لمحہ!

حنہ کمرے میں آئی۔ امی کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔ وہ فوراً اپنے بستر پہ آئی۔ اور موبائل کھولا۔ ہاشم۔ اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ سارے دن کی تھکن اتر گئی۔

''کدھر تھے آپ سارا دن؟''

''لڑکی' میں مصروف ہوتا ہوں۔'' مسکراتی اسمائلی۔ ''تم سناؤ' کیا کیا آج؟''

''کچھ نہیں۔ بھائی یاد آتا رہا۔ ابھی ماموں کے ساتھ ٹیرس پہ بیٹھی تھی۔'' وہ کروٹ کے بل لیٹی' اندھیرے میں چمکتی اسکرین کو دیکھتی لکھتی جا رہی تھی۔

''ہوں۔ کیا باتیں ہو رہی تھیں ماموں سے؟'' ہاشم اپنے کمرے میں ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے' ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ کرتا جا رہا تھا۔ وہ دو تین لوگوں کو ایک ہی وقت میں جواب دے رہا تھا۔

''وہ چاہتے ہیں' میں زمر کے کہنے پہ بھائی کا لیپ ٹاپ کھول دوں۔ مگر مجھ سے اب یہ کام نہیں ہوتے۔ جب بھائی کے کہنے پہ نہیں کیا تو زمر کے لئے کیوں کروں؟''

''سعدی نے کیا کہا تھا؟''

''ان کی کچھ فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں' مجھے کہا کہ کھول دو' میں نے نہیں کھول کر دیں۔ دل ہی نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں صحیح کیا یا غلط۔''

ہاشم نے ''اِٹس اوکے'' لکھ کر سینڈ کیا' کوٹ اتارا' گردن کی پشت کو ہاتھ سے دبا کر جیسے پٹھوں کو ریلیکس کیا' موبائل بیڈ پہ رکھا اور باتھ روم تک آیا۔ ٹب میں نل کھولا۔ پانی کی دھار گرنے لگی۔ اس نے باتھ سالٹس کا جار اٹھایا ہی تھا کہ یکدم رکا۔ ساری دنیا ساکت ہو گئی۔ پانی' جار' سب چھوڑ کر وہ تیزی سے واپس آیا اور فون اٹھایا۔

''کون سی فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں؟'' حنہ کے اگلے چار پانچ پیغام پڑھے بغیر ٹیکسٹ کیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''بھائی کی کوئی آفس فائلز تھیں۔''

''وہ جو یو ایس بی میں تھیں؟'' اس نے روشنی میں تیر چلایا۔ سامنے کی بات تھی۔

''جی... آپ کو کیسے پتہ؟''

''ارے وہ سعدی نے تمہیں دیں؟ میں کب سے انہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ میں نے دی تھیں سعدی کو' مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں' ابھی کدھر ہے وہ فلیش؟'' ادھر اس کے قدموں تلے سے زمین نکل رہی تھی۔

''میرے پاس ہے۔ سامان میں ہی پڑی ہے کہیں۔''

''تم مجھے ابھی لا کے دے سکتی ہو؟ بس دو منٹ کے لیے آؤ' اور مجھے بالکونی میں پکڑا کر چلی جاؤ۔''

''ماموں ٹیرس پہ بیٹھے ہیں' مجھے شوٹ نہ کر دیں۔'' یہ لکھتے ساتھ ہی اس کا دل خراب ہوا۔ (اگر ماموں کو پتہ چلا کہ میں ہاشم بھائی سے اس وقت بات کر رہی ہوں تو وہ کیا سوچیں گے؟)

''اچھا۔'' ہاشم رکا۔ ''مجھے وہ کل ہی چاہیے ہے' صبح دے جاؤ گی فلیش؟''

''اوکے۔''

''تم نے اسے کھول کر دیکھا؟ فائلز ری کور کیں یا نہیں؟''

''نہیں۔ میں نے ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ صبح لا دوں گی۔'' وہ لکھتی جا رہی تھی جب...

''حنین... کس سے بات کر رہی ہو؟'' امی نے اس طرف کروٹ لی' موبائل کی روشنی دیکھی تو اسے پکارا۔ حنین کا سانس رک گیا۔

''وہ.....گیم کھیل رہی ہوں۔'' ساتھ ہی جلدی جلدی ''مجھے جانا ہے بائے'' لکھ کروائی فائی آف کیا۔

''یہ ٹائم ہے فون استعمال کرنے کا؟ رکھو اور سو جاؤ۔ سحری کے لئے پھر اٹھتے موت پڑتی ہے تم سب کو۔ اب نہ دیکھوں میں تمہارے ہاتھ میں موبائل۔'' سختی سے اسے ڈپٹا تو وہ جلدی جلدی سارے میسج مٹاتی' فون بجھا کر چت لیٹ گئی۔ آنکھیں زور سے میچ لیں۔ ''اف۔''

اگلی صبح آفس جانے سے پہلے' ہاشم سوٹ میں ملبوس' مکمل تیار' اپنی بالکونی کی سیڑھیاں اتر کر انیکسی تک آیا۔ (تسلی کر لی کہ فارس کی کار نہیں کھڑی۔) اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ صداقت نے کھولا تو اندر کا منظر بھی کھلتا چلا گیا۔ زمر پرس میں کاغذ اڑستی' تیار سی' دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ پیچھے ندرت میز سے برتن اٹھا رہی تھیں۔ بڑے ابا بھی سامنے بیٹھے نظر آئے۔ اسے دیکھ کر سب رک گئے۔ وہ ہشاش بشاش سا مسکرایا۔

''گڈ مارننگ۔ صبح صبح آپ کو تنگ کیا۔ حنین کے پاس میری ایک فلیش تھی' وہ لینے آیا تھا۔'' ندرت نے اسے اندر بلایا اور خود حنہ کو بلانے اوپر گئیں۔

''کون سی فلیش؟'' زمر نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''میں نے سعدی کو کچھ فائلز دی تھیں کھولنے کے لئے' مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں۔ اس نے کہا کھول دے گا' مگر وہ کرپٹ ہو گئیں شاید۔''

تبھی حنین اوپر سے آتی دکھائی دی۔ نیند والا چہرا جس پہ دو چھینٹے مارے تھے۔ آنکھوں میں اسے دیکھ کر نرماہٹ آ گئی۔

''ہاشم بھائی!''

''حنین، بچے، میری فائلز دی تھیں سعدی نے تمہیں۔'' کنکھیوں سے دیکھا زمر آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

''جی میں لاتی ہوں۔'' وہ بیسمنٹ کی طرف جانے لگی۔

مگر زمر نے اسے اشارہ کیا' کہ ذرا تھمے۔ پھر ہاشم کی طرف مڑی۔

''کیا کلر تھا اس فلیش ڈرائیو کا؟''

''سوری؟'' ہاشم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''مطلب کس رنگ کا کور تھا اس یو ایس بی کا؟ حنہ کیسے ڈھونڈے گی اتنی ساری فلیش ڈرائیوز میں اگر اسے کلر ہی نہ پتہ ہو تو؟'' بڑے رسان سے بتایا۔ ہاشم کا دل چاہا' زمر کی گردن مروڑ دے' مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنہ بول اٹھی۔

''وہ بلیک کلر کی ہے۔ پھپھو مجھے پتہ ہے وہ کونسی ہے، میں ابھی لاتی ہوں۔'' ساتھ ہی خفگی سے زمر کو دیکھا جو ایک دم کلس کر رہ گئی تھی۔ وہ حنین کو روکنا چاہتی تھی' مگر حنین اگلے ہی منٹ ایک سیاہ یو ایس بی لے آئی اور اسے ہاشم کی طرف بڑھایا۔

''یہ لیں۔'' ہاشم مسکرا کر شکریہ کہتا' زمر پہ جتاتی نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اپنے کمرے میں واپس آ کر اس نے جلدی سے اسے لیپ ٹاپ میں لگایا۔ اندر ایک ہی فولڈر تھا اور وہ لاکڈ تھا۔ لمبی لمبی اصطلاحات نمبرز۔ اس کو کھولنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے یو ایس بی نکالی' اور نیچے کچن میں آیا۔ کیبنٹ سے سل کا پتھر نکالا۔ اور اسے زور زور سے فلیش پہ مارا یہاں تک کہ وہ بالکل پچک کر رہ گئی۔ پھر اس نے اسے کوڑا دان میں پھینکا اور ہاتھ دھو کر واپس اوپر چلا آیا۔

بالآخر ہر ثبوت مٹ گیا تھا۔ اب آج سے ایک نئے دن کا آغاز ہو گا۔ معصوم لڑکی' اسے اس لڑکی سے ہمدردی ہوئی۔

❖❖❖

سزا کے طور پہ ہم کو ملا قفس جالب ..... بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا!

ان سب سے دور' ہسپتال کے اس کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وہ بیڈ پہ لیٹا تھا اور میری اس کے بازوؤں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔

'مجھے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے' مگر تم جانتے ہو اگر تم باتھ روم سے پانچ منٹ کے اندر نہ نکلے تو مجھے باہر کھڑے گارڈ کو بلانا پڑے گا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھا' پاؤں زمین پہ اتارے' (آہ) تکلیف ہوئی۔ آنکھیں کرب سے بھینچیں۔ میری نے سہارا دینے کو اس کو شانے سے تھامنا چاہا' اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور آگے بڑھ گیا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا وہ باتھ روم تک آیا۔

دیوار کا سہارا لیتے وہ (آہ) درد سے لب بھینچتا' سنک تک آیا۔ بیسن کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اس نے چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ ہونٹوں کا زخم بھر چکا تھا' چہرے کے نیل رنگ بدل چکے تھے' مگر گال اور پیشانی کا زخم ویسا ہی تھا۔ گردن کی چوٹیں کم نظر آ رہی تھیں۔

''میں نے کبھی ایسے مارا تھا تمہیں نوشیرواں۔ جو تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟'' نل کھولا اور پانی دونوں ہاتھوں میں بھر کر چہرے پہ انڈیلا۔ ''وہ لڑکی جس کے منگیتر نے تمہیں یونیورسٹی میں پیٹا تھا' کبھی اس کو تو پلٹ کر مارنے کی ہمت نہیں ہوئی تمہیں۔ یہ انتقام نہیں تھا نوشیرواں۔ یہ حسد تھا۔''

سرخ آنکھوں سے آئینے میں دیکھتے وہ بڑبڑایا۔ ''میں بھی کچھ نہیں بھولا۔ تم میں سے ہر ایک کو حساب دینا ہوگا۔'' چہرے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا۔ ان دنوں وہ سارا دن سوچتا رہتا تھا۔ ''بس ایک دفعہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔'' ایک نظر اپنی زخمی ٹانگ پہ ڈالی' دوسری پیٹ پہ جہاں شرٹ کے اندر پٹی بندھی تھی۔ یہ دونوں زخم ہر روز بہتر ہو رہے تھے۔ صرف یہ کندھے والا بار بار خراب ہو جاتا۔

''میں کہاں ہوں؟ اپنے گھر سے کتنا دور؟'' اس کا دماغ بھٹکنے لگا' یکدم وہ چونکا۔ گردن گھمائی۔ کمرے میں تو کوئی کھڑکی نہ تھی' مگر شاور کے اوپر ایک ننھا سا روشن دان تھا۔ ایک فٹ اونچا' دو فٹ چوڑا۔ پیچھے شیشہ تھا' اور آگے سلاخیں۔ شیشے کے اوپر سیاہ پینٹ کر کے باہر کے منظر کو بلاک آؤٹ کر دیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس روشن دان سے آدمی کیا' بازو بھی نہ گزر سکتا۔ اس لیے روز اس کو دیکھ کر وہ مایوس ہو جاتا تھا۔ مگر آج.... بہتر ہوتی صحت نے ذہنی حالت بھی بہتر کر دی تھی۔ سعدی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ صابن' شیمپو' ٹشو پیپر'.... اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اس باتھ روم میں۔

مگر اس نے زندگی سے یہ سیکھا تھا کچھ نہ ہو' تب بھی کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے۔

وہ تولیے کے اسٹینڈ تک آیا۔ تولیہ اتارا۔ اور اسٹیل کا راڈ باہر کو کھینچا۔ ذرا سا زور' اور راڈ ہاتھ میں آ گیا۔ اب وہ شاور تک آیا۔ گردن اٹھا کر اونچائی جانچی۔ اتنی اونچی نہیں تھی چھت۔ سلیپرز سے پیر نکالے' اور ایک ہاتھ سے شاور کی نلی پکڑے اس نے نچلے نل پہ پیر رکھا۔ (آہ) زخم گویا ادھڑنے لگے۔ درد سے دانت سختی سے جمائے۔ کراہ روکی۔ اوپر چڑھا۔ دوسرا پیر' گرم پانی کے نل پہ رکھا۔ اور ہاتھ لمبا کیا۔ راڈ روشن دان کی سلاخوں کو چھونے لگا۔ سلاخوں کے پیچھے شیشے کا پٹ بند تھا اور اس کے کنڈے میں تالہ سا لگا تھا۔ تالہ نہیں توڑ سکتا تھا وہ' مگر....

پوری قوت سے اس نے راڈ کا سرا شیشہ میں مارا۔ ایک' دو' تین....

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میری کی غصے سے بھری آواز۔ پھر گارڈز کی دھاڑ۔ وہ کچھ سنے' سوچے بغیر' بار بار راڈ شیشے پہ مار رہا تھا۔ کندھے کا زخم ادھڑنے لگا تھا۔ درد بڑھ گیا۔ وہ مزید ضربیں لگاتا گیا۔ قوت پوری نہ لگا سکنے کے باعث ضرب زور کی نہ لگتی' اور شیشہ بے اثر رہتا۔ کندھے سے خون رسنے لگا۔

اور تب ہی شیشے میں چھناکا ہوا۔ درمیان سے سوراخ۔ سعدی نے راڈ پھینکا۔ ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے' دوسرے سے کانچ کے ٹکڑے نکالے۔ ذرا سا روزن بنا۔

دروازے کا لاک ٹوٹا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ غصے میں اسے گالیاں دے رہے تھے۔

سعدی نے ایک نظر باہر چلچلاتی دھوپ کے منظر پہ ڈالی۔ وہ عمارت کی غالباً سب سے اوپر کی منزل پہ تھا' اس لئے.... یہاں سے گویا پورا شہر نظر آتا تھا... مگر... اس کا دل ڈوبنے لگا۔ آنکھوں میں وحشت اور حیرت اتر آئی۔

نیچے ایک گارڈ نے وہی راڈ اس کی ران کے زخم پہ مارا۔ اس کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکلی۔ وہ گرنے لگا تبھی دوسرے نے کھینچ کر اسے نیچے اتارا۔ ہاتھ میں کانچ لگنے سے خون بہہ رہا تھا اور کندھے سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ لحیم شحیم سے گارڈز اسے گھسیٹتے ہوئے واپس لائے اور بیڈ پہ پٹخا' پھر سے اس کے بازو باندھنے لگے۔ اور اس دوران وہ بستر پہ گرا'. درد سے کراہتے ہوئے' اونچا اونچا پوچھ رہا تھا۔

''میں کہاں ہوں؟ یہ کون سا شہر ہے؟ کوئی مجھے کچھ بتاتا کیوں نہیں ہے؟'' کرب کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ میری نے ان گارڈز کو ڈاکٹر کو لانے بھیج دیا ہے اور خود اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔

''میں نے کہا تھا تمہیں' کہ دیر مت لگانا۔'' سختی سے وہ بولی تھی۔ سعدی نے گیلی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''یہ کون سا شہر ہے؟ یہ میرا شہر نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے۔''

''یہ پوچھو کہ یہ کون سا ملک ہے۔''

اور اس کے الفاظ پہ سعدی ذوالفقار یوسف خان کا پورا وجود سن ہوگیا۔ یک ٹک وہ میری کو دیکھے گیا۔

''بھاگنے کی کوشش بے کار ہے سعدی' کیونکہ یہ انڈیا ہے' اور یہاں تم بغیر پاسپورٹ کے لائے گئے ہو۔ جس دن تم اس قید سے نکلو گے' تم ایک پاکستانی جاسوس کی طرح انڈیا کی گلیوں میں یونہی چھپتے پھرو گے' اور وہ جلد یا بدیر تمہیں ڈھونڈ کر.... خیر مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ بھارت میں ایک غیر قانونی طور پہ آئے ہوئے پاکستانی وہ بھی جو نیوکام کا سائنسدان ہو' اس کے ساتھ کیا ہوسکتا ہے۔ اس لئے دوبارہ یہ کوشش مت کرنا۔ یہ قید' بھارتیوں کی قید سے بہتر ہے۔'' درشتی سے کہتی وہ واپس کاؤچ پہ جا بیٹھی اور سعدی بالکل سن سا رہ گیا۔

.....❖❖❖.....

تم سے پہلے وہ جو اِک شخص یہاں تخت نشین تھا ..... اس کو بھی اپنے خدا ہونے پر اتنا ہی یقین تھا !

ہاشم کے آفس کے اندر ماحول میں وہی تناؤ تھا جو ''دی سعدی یوسف'' کے ذکر پہ چھا جاتا تھا۔ ہاشم کی کرسی خالی تھی' کوٹ اس پہ اٹکا تھا' اور خود وہ آستین موڑے' ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ میز کے سامنے کرسی پہ شیرو بیٹھا ہاتھوں میں ڈیکور بال گھما رہا تھا۔ خاور قریب میں ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ نیاز بیگ نے اے ایس پی کی کزن کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اے ایس پی اس کو چھوڑنے پہ راضی نہیں' اور وہ اسے بلیک میل کر رہا ہے کہ وہ سعدی کے خاندان کو ساری حقیقت بتا دے گا۔''

ہاشم ٹہلتے ٹہلتے رکا' غصے سے خاور کو دیکھا۔

''سارے شہر میں ایک یہی کرایے کا آدمی ملا تھا تمہیں جو اے ایس پی کا دشمن نکلے؟''

''اسے ایس پی نے پیش کیا تھا سر۔ اس رات وقت کم تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی کزن کا مجرم نکلے گا۔ اب معاملہ اس کے خاندان کا ہے۔''

''اور اگر جو اس نیاز بیگ نے کچھ بک دیا تو؟''

''وہ ہمیں جانتا ہے' نہ اے ایس پی کو ہمارا پتہ ہے۔ میں درمیان والے فرد کو کہہ رہا ہوں کہ اے ایس پی سے کہے' نیاز بیگ پہ ہلکا ہاتھ رکھے' مگر سرِ ہائی پروفائل کیس ہے۔ وہ لڑکی سعدی یوسف جیسے خاندان کی نہیں تھی' اس کا خاندان بارسوخ ہے۔ مگر بالفرض وہ کچھ بول بھی دیتا ہے تو بھی ہمارا ذکر نہیں آئے گا۔''

''رکو...'' وہ چونکا۔ ''اس میں فارس یازمر کا ہاتھ تو نہیں؟''

''ان کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔'' خاور کو تعجب ہوا۔ ''یہ کوئی الزام نہیں ہے' نیاز بیگ ہسپتال جا کر اس لڑکی کا کام تمام کرنا چاہتا تھا' پولیس

نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔اور یہ کیس سعدی والے واقعے سے بھی پہلے کا ہے۔''

''اگر اس میں ان دونوں کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ ایک مہینے سے کر کیا رہے ہیں؟ میں نہیں مان سکتا کہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔'' ہاشم نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''سر میں ان پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔مگر وہ سعدی کو ڈھونڈ رہے ہیں، اس کے حملہ آوروں کو نہیں۔ وہ روز مختلف ہاسپٹلز، مردہ خانوں، سعدی کے جاننے والے دوستوں، اور ہر اس جگہ جاتے ہیں جہاں سے اس کا کوئی سراغ مل سکے۔ وہ واقعی فارغ نہیں بیٹھے، مگر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔'' خاور جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا۔ وہ ان پہ ہلکی پھلکی نظر رکھے ہوئے تھا، مگر اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ بظاہر ان ساری رسومات کو پورا کرتے ہوئے، وہ درحقیقت کیا کر رہے تھے۔

''میرا دل نہیں مانتا۔ کیا ان کو کسی سے بدلہ نہیں لینا؟ یہ ان کا طریقہ نہیں ہے۔''

''سر ان کے خیال میں سعدی زندہ ہے، ان کا کہنا ہے ایک دفعہ وہ مل جائے، پھر ہم ہر ایک کو دیکھ لیں گے۔''

(نوشیرواں نے بے زاری سے سر جھٹکا۔ ہونہہ)

''سر آپ کہتے ہیں تو میں باقاعدہ ان کا چوبیس گھنٹے تعاقب کروایا کروں؟ ان کے فونز بگ کر لیتے ہیں، یوں ان کی ہر حرکت پہ نظر رہے گی۔''

''ابھی نہیں۔ ذرا ٹھہر کر دیکھو۔ ان کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ سعدی کے واقعے میں کوئی ہائی پروفائل شخص ملوث ہے۔'' واہیے کو ذہن سے جھٹک کر وہ واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ خاور نے بھی سامنے والی کرسی کھینچی۔ شیرواب موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ (زندگی سے کبھی سعدی نکلے گا بھی یا نہیں؟)

''اے ایس پی نیاز بیگ کو سنبھال لے گا' فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر سر' وہ ڈاکٹر مزید رقم مانگ رہا ہے۔''

ہاشم کے ابرو بھنچے۔ چہرے پہ ناگواری پھیلی۔ ''کیا مطلب مزید رقم مانگ رہا ہے؟ اس کو کتنا کچھ دلوا کر دیا ہے، اور کیا چاہیے اس کو؟''

''اسے اپنے پرائیوٹ ہسپتال کی بلڈنگ مکمل کرنی ہے' بس آخری ٹچز ہیں' دو تین ماہ میں ہسپتال کا افتتاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اندازہ ہے کہ اے ایس پی کسی بڑے آدمی کے لئے کام کر رہا ہے' اس لئے وہ بھی بلیک میلنگ پہ اتر آیا ہے۔''

''اف!'' ہاشم نے پیشانی مسلی' پھر شیرو پہ نگاہ پڑی جو ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔

''دیکھ رہے ہو کس مصیبت میں ڈال دیا ہے تم نے مجھے۔''

شیرو نے بگڑ کر سر اٹھایا۔ ''مصیبت کو ہسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا آپ کو۔ خواہ مخواہ اسے بچایا۔''

خاور نے تائیدی انداز میں گہری سانس لی۔ ''نوشیرواں صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

ہاشم نے ہاتھ جھلایا۔ ''بکومت۔' ہر وقت دوسروں کا خون بہانے کی بات مت کیا کرو۔''

خاور چند لمحے کے لیے بالکل چپ ہو گیا، پھر وہ آہستہ مگر مضبوط آواز میں بولا۔ ''میرے تین بیٹے تھے سر، جب ایجنسی والوں نے مجھ پہ الزام لگایا ان جرائم کا جو میں نے نہیں کیے تھے، اور میں نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا، تو اس بریگیڈیئر نے اپنے آدمی بھیجے اور میرے بڑے دونوں بیٹوں کو سر بازار گولیوں سے بھون دیا۔ تب ایک گیارہ سال کا تھا اور دوسرا نو سال کا۔ وہ میری ساری زندگی کی کمائی تھے، مگر ان کو مارتے وقت کسی نے رحم نہیں کھایا، سو یو نو واٹ سر، مجھے اب کسی دوسرے کی فیملی ٹوٹنے سے فرق نہیں پڑتا۔ سعدی یوسف کہتا ہے، فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں بھی بے گناہ تھا سر۔ تب آپ نے اور آپ کے والد نے مجھے سپورٹ کیا اور مجھے اپنایا۔ میری آپ کے خاندان سے وفاداری

غیر مشروط ہے، اس لیے میں ہمیشہ درست مشورہ دیتا رہوں گا۔''

ہاشم ذرا ڈھیلا پڑا، پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ''تھینک یو خاور!'' شیرو بھی چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا جس کے تاثرات سخت تھے۔

''بہر حال، میں ایک پائی نہیں دے رہا اس ڈاکٹر کو۔ اے ایس پی سے کہو اپنے بندوں کو خود سنبھالے ورنہ ہم سنبھالنے پہ آئے تو دوسرے طریقے سے بات کریں گے۔''

خاور نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ گیا۔ ہاشم نے پیچھے کو ٹیک لگالی اور تھوڑی مسلتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

نوشیرواں ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔ یکدم رکا۔ اس کی آنکھیں چمکیں، اسکرین پہ اس کے ''کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' کے جواب میں شہرین کا پیغام بالآخر آ گیا تھا۔

''ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔''

وہ مسکرا کر جواب ٹائپ کرنے لگا۔

❖❖❖

عجیب خواہش ہے میرے دل میں، کبھی تو میری صدا کو سن کر ..... نظر جھکائے تو خوف کھائے، نظر اٹھائے تو کچھ نہ پائے!

رمضان کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا۔ انیکسی کے برآمدے کے آگے سبزہ زار پہ شام پھیل رہی تھی۔ ادھر لان چیئرز رکھی تھیں۔ اور صداقت افطار کے برتن لگا رہا تھا۔ دوپہر بارش کے باعث موسم خوشگوار تھا۔ عموماً افطاری سب اندر کرتے، مگر آج مہمان تھے جن کے باعث یہاں گھاس پہ اہتمام تھا۔

سارہ، ذکیہ بیگم، امل اور نور۔ ان کے آنے سے پژمردہ سی انیکسی کھل سی اٹھی تھی۔ امل، نور، حنہ اور سیم برآمدے میں نظر آ رہے تھے جبکہ سبزہ زار پہ رکھی کرسیوں پہ ذکیہ بیگم، ندرت سے باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں اور زمر کے قریب بیٹھی سارہ بالکل چپ تھی۔ اس نے سرخ لان کا جوڑا پہن رکھا تھا، اور سرخ دوپٹہ سر پہ تھا، آنکھیں ویران سی تھیں۔

''دراصل میں تھر میں پھنس گئی تھی۔ کچھ کام بہت گڑبڑ ہو گئے تھے۔ مشینری وغیرہ کا مسئلہ تھا جلدی آ نہیں سکتی تھی۔ پچھلے ہفتے واپس آئی ہوں۔'' ذرا دیر بعد اس نے پھر سے زمر کو وضاحت دی۔

''اٹس اوکے سارہ، آپ فون کرتی رہتی تھیں، یہی بہت ہے۔''

تبھی زمر نے دیکھا کہ ہاشم چلا آ رہا ہے۔ سارہ کی اس طرف پشت تھی، اس نے نہیں دیکھا۔ وہ غالباً ابھی آفس سے لوٹا تھا، سارہ کو دیکھتے ہی ادھر آ گیا۔

''گڈ ایوننگ لیڈیز۔'' مسکرا کر مخاطب کیا تو سارہ ایک دم چونک کر مڑی۔

ہاشم پیچھے کھڑا تھا۔ ذکیہ بیگم فوراً اٹھیں۔ وہ ان سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ سارہ کی رنگت زرد پڑتی گئی۔ پیشانی کی رگیں ابھرنے لگیں۔

''آئیں، ہاشم بیٹھیں۔'' ندرت نے اسے کرسی پیش کی۔

''میں رکوں گا نہیں، ڈاکٹر سارہ کو دیکھا تو چلا آیا۔ بہت عرصے سے آپ سے اور آپ کے بچوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیسی ہیں آپ؟'' سارہ بمشکل کھڑی ہو پائی۔ نظریں ہاشم کے چہرے پہ جا رکیں، تو اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش... پورچ میں گرا سعدی... سرخ پانی....

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سامنے آ بیٹھا تو سارہ واپس بیٹھی۔ ساتھ ہی پرس میں ہاتھ ڈالا، اندر ایک ننھا سا چاقو رکھا تھا۔

''بچے کہاں ہیں آپ کے؟'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ زمر نے حنہ کو آواز دی۔ سارہ بے بسی سے زمر کو روکنا چاہتی تھی' مگر الفاظ لب میں اٹک گئے۔ حنین' امل اور نور کو لئے باہر نکلی تو ہاشم کو دیکھا چہرہ کھل اٹھا۔

''السلام وعلیکم!'' حنہ نے مسکرا کر سلام کیا۔ اس نے بھی اتنے ہی مسکرا کر وعلیکم السلام کہا۔ نگاہیں ملیں تو ان میں کوئی راز چھپانے کی اماٹمنٹ تھی۔ (اب حنہ کے پاس اس کا ذاتی سیل تھا، جو فارس اگلے دن لے آیا تھا۔ اس پہ پاسورڈ لگا تھا' اور اب اسے ہاشم کے پیغامات ملانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ روز ہی بات ہو جاتی تھی۔)

''کتنے پیارے بچے ہیں آپ کے۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا تو امل اور نور شرماتی' مسکراتی' اس اسمارٹ اور ہینڈسم بندے کے قریب آ میں۔ سارہ نے پرس کے اندر چاقو پہ گرفت مضبوط کی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا' سرخ ہوتی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ باری باری ان بچیوں کو پیار کر رہا تھا۔ ان سے اسکول اور پڑھائی کا پوچھ رہا تھا۔

تبھی ذکیہ بیگم نے اس کی دلی کیفیت سے یکسر بے خبر' ندرت سے پوچھا۔ ''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟''

سارہ کی نگاہیں ہاشم پہ جمی رہیں۔ اس نے امل کا نرم چھوٹا ہاتھ تھام رکھا تھا' اور مسکرا کر اس کی بات سن رہا تھا۔ سعدی کے ذکر پہ اسے ہوں تک نہیں رینگی۔

سارہ نے چاقو چھوڑ دیا۔ پرس پرے رکھ دیا... پھر چہرہ ندرت کی طرف موڑا۔

''اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جنہوں نے سعدی کے ساتھ یہ کیا۔ اس کو گولیاں ماریں' اس کو مارا' پھر ہسپتال سے غائب کر دیا۔''

امل کچھ بولے جا رہی تھی اور ہاشم مسلسل مسکراتے ہوئے اس کو سن رہا تھا۔ اسے اب بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''ندرت آپا' آپ دیکھنا' اس شخص نے جو آپ کے بچے کے ساتھ کیا ہے' اللہ اس کی اپنی اولاد کو بھی ایسے ہی تڑپا تڑپا کر مارے گا اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے تو اسے پتہ چلے گا' کہ کسی کے بچے کا خون بہانا کتنا دردناک ہوتا ہے۔''

اور سارہ کو کنکھیوں سے نظر آیا تھا کہ ہاشم کاردار کے چہرے کی رنگت ایک دم متغیر ہوئی تھی۔ مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''ایسے نہیں کہتے سارہ، بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔'' ذکیہ بیگم نے ٹوکا تھا۔

ہاشم امل کی بات ختم ہوتے ہی، بمشکل چہرے کو نارمل رکھے اٹھ گیا۔

''اچھا لگا آپ لوگوں سے مل کر۔'' ایک برہم سی نگاہ سارہ پہ ڈال کر (جو ذکیہ بیگم کی طرف متوجہ تھی) وہ زمر سے نہ رکنے پہ معذرت کرتا' آگے بڑھ گیا۔ خاموش بیٹھی حنین کا دل بجھ گیا۔

سارہ بہتر نظر آ رہی تھی، جیسے دل کی کوئی بھڑاس نکلی تھی۔

گھر آتے ہی ہاشم نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا۔

''ہاں فرید... ایسا کرو اورنگزیب کاردار کے نام کی مسجد اور مدرسے میں عید تک افطاری میری طرف سے بھجوایا کرو، پورے اہتمام سے بھجوانا، میری بیٹی کے نام سے، ہاں صدقے کے طور پہ۔ نہیں بیمار نہیں ہے، بس ویسے ہی۔ یونو۔'' کال بند کر کے اسے کافی سکون ملا۔ یہ ٹھیک ہے! ایسے سارے کھاتے کلیئر رہتے ہیں۔ کاروبار بھی چلاؤ، اور اللہ کو بھی خوش رکھو۔ گڈ۔

❖❖❖

میری صدا ہوا میں بہت دور تک گئی ..... پر میں بلا رہا تھا جسے بے خبر رہا!

ویک اینڈ کی شام بالآخر آن پہنچی اور نوشیرواں کلب کے لاؤنج میں ایک کاؤچ پہ بیٹھا' بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس نے بلیک ڈریس شرٹ کے آستین ذرا فولڈ کر رکھے تھے' اور نیچے خاکی جینز تھی۔ بال کٹوا کر ان کی ڈیوڈ بیکہم سپائیکس بنائے' وہ کافی فریش اور اچھا لگ رہا تھا۔

''ہیلو شیرو!'' وہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ سفید ٹائٹس پہ ایک کندھے کے بغیر والی شرٹ، اور گلے میں سکوں کی مالا۔ کہنی پہ ٹکا برانڈڈ بیگ۔ شہرین مسکرا کر اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ پرس درمیان میں رکھا۔

''سوری مجھے دیر ہوگئی۔ اتنا ٹریفک تھا آج۔ پھر ماں کو ایک فنکشن پہ جانا تھا۔ انہوں نے مجھے بھی دیر کروادی۔ تم کیسے ہو۔''

وہ مسکراتے ہوئے ساتھ بیٹھا۔ ''اچھا ہوں۔ لاہور کا ٹرپ کیسا رہا؟''

''بس تھک گئی۔ ایک فنڈ ریزر تھا، اور ایک سیمینار۔ تم سناؤ۔ گرمی زیادہ ہوگئی ہے نا آج کل؟''

چند فقروں کے بعد باتیں جیسے ختم ہوگئیں۔ خاموشی چھا گئی۔ قریب سے گزرتی کسی لڑکی نے شیری کو ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ یہاں سب ان کو جانتے تھے۔ پھر شیرو کی طرف گردن موڑی۔ ''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟''

اور بس۔ مانو سارا موڈ ہی غارت ہوگیا۔

''نہیں۔'' اس کے ابرو بھنچ گئے۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ اسے کسی نے قید کر رکھا ہوگا یا مار دیا ہوگا؟ تم نے دیکھا' اس کے پیج کے بیس ہزار Likes ہو چکے ہیں۔ اوہ بے چارا۔ چچ چچ۔'' افسوس سے سر جھٹکا۔

نوشیرواں کے لئے مزید ضبط کرنا مشکل تھا۔ وہ گویا کھول کر اس کی طرف گھوما۔

''سعدی' سعدی' سعدی۔ جب بھی ہم ملتے ہیں' اس سعدی کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوتی آپ کے پاس۔ وہ مر کر بھی ہمارے بیچ میں کیوں ہے؟ بھول جائیں سعدی کو۔ مر گیا سعدی۔ جہنم رسید ہوگیا سعدی۔ اتنی مشکل سے جان چھڑائی ہے اس سے' مگر آپ پھر اس کو درمیان میں لے آتی ہیں۔''

غصے سے تیز تیز وہ بولتا جا رہا تھا۔ اردگرد چند لوگوں نے گردنیں ان کے کاؤچ کی طرف موڑیں۔ شہرین ہکا بکا سی اسے دیکھے گئی۔ (اتنی مشکل سے جان چھڑائی اس سے... جان چھڑائی...)

''وہ تمہارا دوست تھا اس لئے....'' وہ اٹکی۔

''نہیں تھا وہ میرا دوست۔ زہر لگتا تھا مجھے..... میں خوش ہوں کہ وہ نہیں رہا۔ بات ختم۔ کیا اب ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟'' درشتی سے کہتا وہ پیچھے کو ہوا۔ نظر ایک لڑکے پہ پڑی جو پورا گھوم کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''اے۔ کام کرو اپنا۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس کو بھی جھاڑا۔ وہ فوراً کھسک لیا۔ پھر انہی برہم تاثرات سے شہرین کو دیکھا جو ہنوز دم بخود تھی۔

''میں آپ سے سعدی کے بارے میں بات کرنے تو نہیں آتا۔ پھر آپ ہمیشہ مجھے یوں ہرٹ کیوں کرتی ہیں؟'' ذرا دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا تو غصہ ذرا کم تھا۔ شہرین نے جھرجھری لیتے ہوئے سامنے دیکھا۔

''او کے آئی ایم سوری۔ تم لوگ اچانک اس کے دشمن بن گئے ہو' میری معلومات اپ ڈیٹیڈ نہیں تھیں۔ پہلے ہاشم نے اس کو اپنی پارٹی پہ بے عزت کیا۔'' (سونیا کی سالگرہ یاد آئی۔) ''اور اب تم کہہ رہے ہو کہ... خیر...'' گہری سانس لی' اور اس کو دیکھا تو چہرے پہ قدرے رکھائی در آئی تھی۔ گھڑی سامنے کی۔

''کیوں بلایا تھا تم نے؟ کوئی کام تھا؟ مجھے جانا ہے ماں کو پک کرنے۔''

''آپ کو کہیں نہیں جانا' آپ صرف میری بات کا برا مان گئی ہیں۔'' وہ ذرا ناراض ہوا۔

''کیا نہیں ماننا چاہیے؟''

''شہری کیا ہم کبھی اپنی بات نہیں کر سکتے؟ کسی تیسرے فرد کو درمیان میں لائے بغیر؟''

شہری نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''ہمارے درمیان کون سی اپنی بات ہوتی ہے؟''

''آپ کو معلوم ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' وہ ذرا آگے ہوا۔ چہرے پہ بے بسی در آئی۔ ''کیا ہم کبھی کبھی یوں مل نہیں سکتے؟ بات نہیں کر سکتے؟ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ یہ بات جانتی ہیں۔''

شہرین کی آنکھوں میں ایک دم بے حد اچنبھا ابھرا۔ ''شیرو! میں تمہاری بہت پرواہ کرتی ہوں' تم جانتے ہو۔ مگر.... تم میرے شوہر کے سوتیلے بھائی ہو۔''

''سابقہ شوہر کے۔''

''....اور میری بیٹی کے انکل ہو۔ پھر تم مجھ سے عمر میں گیارہ' بارہ سال چھوٹے ہو۔ تمہیں مجھ سے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔'' نرمی سے اسے ٹوکتی' وہ پرس اٹھانے لگی۔

شیرو کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ دکھ بھی ابھرا۔ ''یہ باتیں بے معنی ہیں۔''

''اوکے شیرو، بہت ہو گیا۔'' اب کے شہرین کی نگاہوں میں سختی اتری۔ ''جو تم کہہ رہے ہو وہ بے معنی ہے۔ ہم رشتے دار ہیں' اور اچھے دوست بھی۔ مگر اس سے آگے کا مت سوچنا۔ مجھے بہت برا لگا ہے تمہارا یوں کہنا۔'' ڈپٹ کر بولتی وہ پرس اٹھائے اٹھی اور باہر کی طرف بڑھی۔ نو شیرو اں پیچھے لپکا۔

''پھر مجھے بار بار استعمال کیوں کیا؟'' وہ غصے اور بے بسی سے بولتا اس کی تیز رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میری نرمی کا فائدہ کیوں اٹھایا؟''

''میں تمہیں صرف ایک اچھا دوست سمجھتی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ باقی تمہارا ذہن کیا کیا گھڑ کر تمہیں دکھاتا رہا۔'' وہ تیز قدموں سے چلتی باہر جا رہی تھی۔

''اگر میری جگہ سعدی یہ بات کہتا تو مان لیتیں آپ؟''

''تم دونوں ہی میرے لئے بچے ہو۔ اور وہ ایسی بات کبھی نہ کہتا۔ میرا احترام کرتا تھا وہ۔'' وہ باہر نکل گئی۔ کھلے لان میں اب وہ آگے جا رہی تھی۔ نو شیرو اں رک گیا۔ بے بسی اور دکھ سے اسے جاتے دیکھا۔

''اس کو اتنا اچھا سمجھتی تھیں تو میرے سامنے اس کو اتنا برا کیوں کہا؟ آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں نے.... میں نے کیا کیا آپ کے لئے....'' وہ پیچھے سے چلایا تھا۔ شہرین کے قدم رکے۔ وہ گھومی۔ ہاتھ کا چھجہ ماتھے پہ بنا کر دھوپ کے باعث' پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ گلابی چہرے کے ساتھ' آنکھوں میں پانی لئے' غصے اور صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''گیٹ اے لائف' شیرو!'' وہ واپس پلٹ کر آگے بڑھ گئی' اس شے کو ذہن سے جھٹکتی جو نو شیرو اں کے الفاظ اور انداز اسے بتا رہے تھے۔ کچھ عجیب سا تھا اس کے سرخ بھبھوکا چہرے پہ اس وقت۔ وہ کسی اعتراف سے چند لمحوں کی دوری پہ تھا۔

.....❖❖❖.....

دیکھتا ہوں سب شکلیں، سن رہا ہوں سب باتیں ..... سب حساب ان کا ، میں ایک دن چکا دوں گا !

فوڈ لی ایور آفٹر پہ گاہکوں کا معمولی رش تھا۔ ندرت کاؤنٹر کے ساتھ رکھی میز پہ کچھ بلز وغیرہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کا خول جو سارہ اور بچیوں کے آ جانے سے ذرا چٹخا تھا' پھر سے واپس پتھر بن گیا تھا۔ قریب سے جنید ٹرے اٹھائے گزر رہا تھا۔ تبھی راستے میں اچانک سے گل خان

آ کھڑا ہوا۔

''کیا ہے؟'' جنید نے بدقت کوفت چھپائی۔ (سعدی کا لاڈلا۔ ایک مہینہ پشاور میں گزار کر بالآخر یہ واپس آ گیا تھا۔)

''جنید بھائی' یہ تم سعدی بھائی کی پھپھو کے لئے لے جا رہے ہو نا؟'' ٹرے میں کافی کگ کی طرف اس نے اشارہ کیا۔ ''یہ ہمیں دے دو' ہم لے جائے گا۔ دے دو بھائی!'' جنید نے ایک بے بس نگاہ ندرت پہ ڈالی جو بے نیاز بیٹھی کام کر رہی تھیں اور ٹرے اسے تھمائی۔ ''خود منہ نہ لگانا۔''

''ایسا کوئی مفت خورہ سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں بھائی؟ لاحول ولا قوۃ'' بگڑ کر کہتا ٹرے اٹھائے سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ جب اوپر دروازے تک پہنچا تو نیچے جھانکا۔ جنید ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے گھونٹ بھرا۔ (آہ اس ریسٹورانٹ کی لذیذ کافی) اور ہونٹ صاف کرتے' سنجیدہ چہرہ بناتے دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔ اگلا منظر سا کھلتا گیا۔

اوپر والا کمرہ اتنا ہی کھلا تھا جتنا نیچے ریسٹورانٹ تھا۔ مگر فرش خالی تھا۔ دو دیواریں شیشے کی تھیں جن کے پار اندھیرے میں جگمگاتے شہر کی بتیاں دکھائی دے رہی تھیں ایک بڑی میز پہ کاغذ اور فائلز بکھری تھیں۔ فارس پشت کیے کھڑا ایک فائل کے صفحے پلٹا رہا تھا۔ ساتھ ہی کرسی پہ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی' نفی میں سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ''اب سرمد شاہ کو دیکھنے کا وقت ہے' میرا خیال ہے....'' آہٹ پہ گردن گھمائی تو گل خان کو آتے دیکھ کر نرمی سے مسکرائی۔ ہاتھ بڑھا کر کگ اٹھایا۔

''ارے گل خان۔ تم اتنا عرصہ کہاں تھے؟'' وہ سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں آ جاتا تھا' پھر درمیان میں مہینہ بھر نہ آیا تھا۔ فارس نے پلٹ کر بس ایک نظر ڈالی۔

''باجی اُم پشور گیا ہوا تھا۔ اَمارا بابا کا چچازاد بھائی مر گیا تھا۔'' ہاتھ جھلا کر کہتا وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھا۔ وہ بارہ تیرہ سال کا' پھولے سیب سے گالوں اور بھورے بالوں والا پٹھان لڑکا تھا۔ شلوار قمیص پہنتا اور پائنچے خفوں سے اوپر رکھتا۔ سر پہ پشاوری ٹوپی تھی۔

زمر جو بغور کافی کگ کو دیکھ رہی تھی' اس بات پہ نظریں اٹھائیں۔ ''بہت افسوس ہوا۔ ویسے یہ کافی بہت ٹیسٹی ہے' ہے نا؟'' کپ لبوں سے لگاتے مسکرا کر پوچھا۔ گل خان نے بے اختیار تھوک نگلا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بات بدلنے کی غرض سے جلدی سے بولا۔

''باجی' تم ادھر کیا کر رہی ہو؟''

''نیچے کسٹمرز ہوتے ہیں' اور مجھے کام کرنے کے لئے جگہ چاہیے تھی' اوپر والا ہال ویسے بھی رینوویشن کے لئے بند پڑا تھا' سو بھابھی نے مجھے دے دیا۔''

''اچھا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''سچ باجی' اس دن ام حیات آباد میں اپنے چاچے کی دکان پہ بیٹھا تھا' تو ہمیں یاد آیا' جب سعدی بھائی کھویا تھا' اور تم ادھر سارے ملازموں سے پوچھ رہی تھی کہ بھائی کا کسی سے جھگڑا تھا یا دشمنی تو نہیں تھی' تو واللہ باجی' اس دن یاد آیا' ایک دفعہ بھائی کا ادھر ہلکا سا جھگڑا ہوا تھا۔'' ریسٹورانٹ کے باہر کی سمت اشارہ کیا۔

وہ جو دیوار پہ لگی تصویریں دیکھتے' کچھ سوچ رہا تھا' چونک کر گل خان کو دیکھنے لگا جو زمر کے سامنے بیٹھا بتا رہا تھا۔ زمر نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

''کس سے ہوا جھگڑا؟''

''ایک آدمی تھا' اس کی مہنگی سی ڈبہ گاڑی تھی' بوت مہنگی والی۔ پتہ ہے اس کی گاڑی کی...''

''جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟'' فارس نے ٹوکا۔

''ہمارے اوپر ہوا تھا!'' اس پٹھان ہیلن آف ٹرائے نے فخر سے سینے پہ ہاتھ مارا۔

''وہ ہم کو کچلنے والا تھا' مگر ابھی ہماری زندگی باقی تھی' ہم بچ گیا۔ وہ نکلا اور ہمیں انگریزی میں ڈانٹا۔ تبھی سعدی بھائی نکل کر آیا' اور اس کو بھی انگریزی میں کوئی لمبی سی بات کہی۔ پھر وہ کار میں بیٹھا اور چلا گیا۔''

''اور جھگڑا کب ہوا؟ مطلب دونوں نے ایک دوسرے پہ ہاتھ اٹھایا؟ گالیاں دیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ گل خان کو اپنی روداد ایک دم ہلکی لگنے لگی۔ ذرا ڈھیلا پڑا۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا' مگر جو اس نے انگریزی میں بولا.....''

''تمہیں انگریزی آتی ہے؟'' فارس نے پھر ٹوکا۔۔

گل خان کی غیرت اور حمیت پہ گویا تازیانہ پڑا۔ تلملا کر گھوما۔

''گل خان پانچویں فیل سہی' مگر جھگڑے والا لہجہ خوب سمجھتا ہے۔'' غصے سے کان سرخ ہوئے تھے۔

''اچھا یہ بتاؤ۔'' زمر نے بچے کی عزت رکھنی چاہی۔ ''وہ کون تھا؟ کیسا لگتا تھا؟''

گل خان نے ایک ''ہونہہ'' والی نظر فارس پہ ڈالی' فلمی اداکارہ کی طرح سر جھٹکا اور باجی کی طرف متوجہ ہوا۔ (یہ ملکہ کی آن بان والی باجی اسے بہت اچھی لگتی تھی اور اس کا شوہر اتنا ہی برا۔ ہونہہ) ''اب اتنا شکل نہیں یاد مگر ایسے لش پش کپڑے تھے' بال اوپر کھڑے تھے' اور ہونٹوں سے نیچے یہ چھوٹی سی داڑھی تھی۔''

''فرنچ کٹ؟''

''ہاں وہی۔ اور... باجی اس کا گاڑی بوت مہنگا تھا۔ کوئی چار پانچ کروڑ کا ہوگا۔'' زمر نے گہری سانس لی۔ بچہ اب لمبی چھوڑ رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے چار پانچ لاکھ؟''

''نہیں باجی' چار پانچ لاکھ کا تو تین چار گاڑیاں گل خان بھی خرید لے' اس کا گاڑی کروڑوں کا تھا۔ سعدی بھائی نے خود بتایا تھا۔'' اس نے ذرا بے بسی سے زور دیا۔ زمر اب اس کو جانے کا کہنے لگی تھی کہ فارس ایک دم چونکا۔

''ایک منٹ... کار کا رنگ کیا تھا؟''

''سفید!'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ فارس اور زمر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''نوشیرواں کی رولز رائس!'' ایک دم ذہن میں جھماکہ ہوا۔

مگر جب جنید کو بلایا تو اس نے عام سے انداز میں سارا قصہ دہرایا۔

''فارس بھائی، کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا تھا۔ یہ بچہ انتہائی بدتمیز اور شرارتی ہے۔ اس کی گاڑی کے نیچے آنے لگا تھا۔ غلطی اس شخص کی نہیں تھی' سعدی بھائی باہر گئے اور جا کر اس سے صرف بات کی۔ میں ذرا دور تھا' سنا نہیں مگر آدمی غصے میں لگتا تھا' ظاہر ہے بچہ مرتے مرتے بچا تھا' سعدی بھائی نے بس ٹھنڈے طریقے سے اسے دو چار باتیں کہیں' وہ پلٹ کر چلا گیا۔ جواب میں کچھ بھی کہے بغیر۔ میں نے بعد میں پوچھا کہ یہ کون تھا۔ سعدی بھائی نے کہا میرا پرانا دوست ہے۔''

''ٹھیک ہے، کوئی ایسی بات نہیں ہے، میں دیکھ لوں گا۔'' فارس نے بے تاثر سے انداز میں ان دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ گل خان نے ایک پرامید نگاہ زمر پہ ڈالی جو کچھ سوچ رہی تھی، اور پھر دوسری (شدید کینہ توز اور رقابت سے بھری) نظر فارس پہ ڈالی اور پھر بے دلی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ریسٹورانٹ کے باہر اپنے پھولوں کے اسٹال کے ساتھ آ کر وہ کھڑا ہوا تو سخت کبیدہ خاطر لگ رہا تھا۔

''ہمارا بات کا تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، سارا بات باجی اسی فارس بھائی کا سنتی ہے، ہر روز شام کو ادھر آ جاتا ہے، ہونہہ!'' غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ پھر احتیاط سے لباس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا تو چہرے پہ غصے کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا۔

''وہ شکل کا اچھا ہے تو کیا ہوا، گل خان بھی کسی سے کم نہیں۔ اب جب تک یہ باجی کے پاس رہے گا، ہم بھی یہ ہیرے والا چابی ہاتھی کو نہیں دے گا۔'' مٹھی کھول کر دیکھی تو اس میں سیاہ مصنوعی ہیرے والا کی چین تھا جس پہ Ants Everafter لکھا تھا، اور اس میں چابیوں کے ساتھ ایک سلور پین بھی ٹنگی تھا۔ گل خان نے چند لمحے افسوس سے سعدی کے کی چین کو دیکھا اور پھر اسے احتیاط سے واپس اندرونی جیب میں رکھ کر جیب کی زپ بند کر دی۔ ایک کینہ توز نظر اوپر ریسٹورانٹ پہ ڈالی اور پھر سر جھٹک کر اسٹال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد چند لمحے وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے تھے۔

''سونیا کی سالگرہ والے دن بھی شیرو نے سعدی سے تلخ کلامی کی تھی' میں درمیان میں آیا تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔''

''خیر' وہ اس کا دوست تھا' دوستوں میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔'' وہ کہنے کے ساتھ فون پہ نمبر ملا رہی تھی۔ فارس خاموش ہو گیا مگر وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''نوشیرواں' میں زمر بات کر رہی ہوں...'' گہری سانس لی۔ ''میں اب ڈی اے نہیں ہوں۔ آپ مجھے صرف مسز زمر کہہ سکتے ہیں۔ اچھا آپ گھر پہ ہو؟ اوکے' میں تراویح کے بعد گھر آ جاؤں گی' مجھے آپ سے ملنا ہے۔'' اور موبائل کان سے ہٹایا۔ فارس سینے پہ بازو لپیٹے' میز کے کنارے سے ٹیک لگائے کھڑا' اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ سعدی کا دوست ہے' میں اس پہ شک نہیں کر رہی' مگر ہو سکتا ہے وہ سعدی کے مزید دوستوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ اس لڑکی جو سعدی کے ساتھ تھی مبینہ طور پہ' شاید وہ اس کو جانتا ہو۔ وہ کچھ تو چھپا رہا ہے۔''

''ویسے وہ الٹی کھوپڑی کا بگڑا بچہ ہے' اس کا دماغ اتنا دور تک نہیں جایا کرتا۔ پھر بھی آپ اس سے یہ بات کلیئر کر لیجیے گا۔'' اس نے عادتاً اسکی نوٹس کا پیڈ اٹھایا قلم سے اس پہ لکھا..... ''گل خان' ڈبہ گاڑی' نوشیرواں۔'' اردو میں یہ الفاظ لکھ کر اس نے میز کے کونے پہ چپکا دیے تاکہ زمر کو یاد رہیں۔ اور خود مڑ کر دیوار کی طرف چلا گیا۔

''ہم اے ایس پی کی بات کر رہے تھے۔ فارس، اب ہمیں اس کو کارنر کرنا چاہیے۔''

''نہیں، پہلے ڈاکٹر بخاری۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''وہ سرجن جس نے سعدی کا آپریشن کیا تھا؟''

''وہ اس رات کال پہ نہیں تھا، سعدی کو ہسپتال لانے کے بعد وہ اچانک سے آیا اور ٹیک اوور کر لیا۔ اسی نے وارڈ بوائز بھیجے، اور اسی نے سعدی کو ہسپتال سے نکلوایا ہے۔ وہ راہداری جس کی اصلی فوٹیج نکال کر ایک ہی کلپ بار بار دہرایا گیا ہے، میں نے اس سے ملحقہ راہداریوں کی فوٹیجز چیک کی ہیں۔ دو لوگ باری باری وہاں مڑے ہیں۔ ایک اے ایس پی، اور دوسرا وہ ڈاکٹر۔ یعنی اے ایس پی نے ڈاکٹر کے ساتھ اس کاریڈور میں باتیں کی تھیں، اور بعد میں وہ فوٹیج مٹا دی تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ ان دونوں نے مل کر یہ کام کروایا ہے، اس لیے پہلے ڈاکٹر!''

''تم نے کہا تھا کہ ہر چیز میری مرضی سے ہو گی۔''

''سب آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔''

''کیا واقعی؟''

''آپ کو سعدی واپس چاہیے یا نہیں؟'' وہ چپ ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، پہلے ڈاکٹر سہی!'' قلم انگلیوں میں گھماتی وہ خشک سا بولی۔ کام اپنی جگہ' گریز اور اعراض اپنی جگہ۔ ''اگر مجھے تمہارے اس کے لیے مخلص ہونے کا یقین نہ ہوتا، تو میں کبھی بھی تمہاری بات نہ مانتی، اور.....'' قلم گھماتی انگلیاں تھمیں۔ نگاہیں میز کنارے چپکے نوٹ پہ

جا ٹھہریں تھیں جو فارس نے ابھی لگایا تھا۔

''گل خان' ڈبہ گاڑی، نوشیرواں۔'' اس نے ان الفاظ کو پڑھا ایک دفعہ' دو دفعہ... شاید دس دفعہ' نگاہ اٹھا کر فارس کو دیکھا' پھر ان الفاظ کو۔ پھر نوٹ اتار کر مٹھی میں دبایا۔ پرس اٹھایا' اور ایک عجیب سی نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ فارس نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

(اب اسے کیا ہوا؟ پھر تو نہیں دماغ الٹ گیا؟)

.....❖❖❖.....

کیا روز تماشہ کہ نیا خواب، نیا غم ..... مرنے کی جو ٹھانی ہے تو اک بار میں مر بھی!

قصرِ کاردار میں ڈنر ٹیبل خوبصورتی سے سجی تھی۔ سب کھانا کھا رہے تھے جب زمر کا فون آیا تھا۔ نوشیرواں نے موبائل بند کیا تو ہاشم اور جواہرات اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''زمر تم سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' شہرین کے صبح والے برتاؤ کے بعد وہ جو بدقت سنبھلا ہوا لگ رہا تھا' اس کال پہ رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ نگاہیں جھکا لیں۔ ہاشم نے نیپکین مروڑ کر میز پہ ڈالا۔ اکتاہٹ اور بے زاری سے۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''ہاشم کیا ہو رہا ہے؟'' سنگین نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا تو ہاشم کرسی دھکیل کر اٹھا۔ ''میرے کمرے میں آئیں۔'' ساتھ ہی ڈیوٹی پہ کھڑی فیونا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً پلٹ گئی۔

''ہاشم' تم....''

''میرے کمرے میں آئیں ممی۔'' ایک ملامتی نظر نوشیرواں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں بے زاری اور تملاہٹ سے اٹھا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ہاشم کے بند دروازے کے پیچھے کا منظر قطعاً خوشگوار نظر نہیں آ رہا تھا۔ نوشیرواں بیڈ کے کنارے' بے زاری سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہاشم کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے براجمان تھا اور جواہرات... وہ جلے پیر کی شیرنی کی طرح آگے پیچھے چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کی رنگت سفید اور سرخ کے درمیان بدلتی رہتی' اور آنکھوں میں صدمہ' بے یقینی' غصہ سب کچھ تھا۔

''تم.....'' رک کر نوشیرواں کو گھورا، اور تین انگلیوں سے اس کی تھوڑی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا، شیرو نے (اونہوں) منہ پرے ہٹایا۔ ''تم انتہائی احسان فراموش انسان ہو۔ اس نے جان بچائی تھی تمہاری۔ اور تم نے اس کو مار دیا؟ اور تم؟'' پلٹ کر شعلہ بار نظر ہاشم پہ ڈالی۔ ''اگر وہ مر رہا تھا' تو کیا ضرورت تھی اس کو اتنے تردد سے وہاں سے نکالنے کی؟'' وہ اتنی دیر سے بول بول کر اب ہانپنے لگی تھی۔

''اس کو مرنے دیتا اور شیرو کو قاتل بنا دیتا؟ کیا یہ اتنے بڑے گلٹ کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتا تھا؟'' وہ بھی برہم ہوا۔ (شیرو کچھ بڑبڑایا۔)

''اور مجھے بتانے کا ارادہ کب کا تھا؟ تھا بھی یا نہیں؟''

''او کے ممی' بہت سن لیا میں نے۔ اب بس کریں' بیٹھیں اور سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ زمر شیرو سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

''تم مجھے بتاؤ گے کہ اب کیا کرنا ہے؟'' وہ غرائی تھی۔ ''اس گھر کی' اس امپائر کی ملکہ میں ہوں' یہ فیصلے میں لیتی ہوں کہ کون کیا کرے گا۔ سمجھے تم!'' ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''یہ سنبھال رہے ہو تم چیزیں کہ ابھی ڈیڑھ ماہ نہیں ہوا اسے کھوئے اور زمر کو اس پہ شک ہو گیا ہے۔'' ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی۔

اس کو کسی پل سکون نہیں آ رہا تھا۔

''شیرو پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ یہ اس وقت دبئی میں تھا' اس کے پاسپورٹ پہ مہر ہے۔''

''اس گھر کے ملازموں کی آنکھوں پہ تو مہر نہیں تھی۔ کس کس نے دیکھا تمہیں اس روز گھر پہ؟ بولو شیرو!'' اس کے سر پہ کھڑی غرائی وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔

''فیضو نانے.... اور.....'' رکا' ذرا سوچا۔ ''میں رات کمرے میں بند رہا فیضو نا آئی تھی' پھر صبح' میں' ہاشم بھائی اور آپ آفس کے لیے جلد نکل گئے تھے۔ گیٹ کے دونوں گارڈز نے دیکھا' اور ہاں' ڈائننگ ہال میں.....''

''فہرست مت بتاؤ' مجھے معلوم ہے اس صبح ڈیوٹی پہ کون کون تھا۔ فیضو نا قابلِ بھروسہ ہے' مگر اس کے علاوہ سب کو میں فائر کر دوں گی دوسرے شہروں میں اچھی نوکریاں دلوا دوں گی۔ اگلے ماہ سے ہم نیا اسٹاف رکھ رہے ہیں۔'' وہ رکی۔ ''فارس نے تو نہیں دیکھا تمہیں؟''

اور ایک دم نوشیرو اں سیدھا ہوا۔ اسے یاد آیا' زمر..... ڈی اے..... اس نے دیکھا تھا مجھے۔ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ شیرو نے دونوں کو دیکھا۔ ہاشم بھائی ان کی شادی کی صبح ان کے گھر سے جب نکلے تو میں ادھر بالکونی میں کھڑا تھا۔ وہ باہر نکلی تو اس نے مجھے دیکھا تھا۔ اوہ۔'' اسے سب سمجھ آنے لگا۔ ''اس دن جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کی شادی سے پہلے ہی دبئی جا چکا تھا تو وہ.....'' اور پوری بات سن کر ہاشم کا دماغ گھوم گیا۔

''یہ بات زور دے کر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرے خدایا' نوشیرواں میں تمہارا کیا کروں۔'' موبائل اٹھاتے ہوئے وہ غرایا ہوا۔ ''میں زمر کے پاس تمہارے ساتھ جاؤں گا اور بات سنبھال لوں گا' اگر.....''

''بالکل نہیں۔'' جواہرات سلگتی نظروں سے اسے گھورتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''اس کو بے بی سٹ کرنا چھوڑ دو ہاشم۔ اس کو اپنے مسئلے خود حل کرنے دو۔ وہ اکیلا جائے گا' اور وہ خود زمر کو کنوینس کرے گا' وہ ایک کاردار ہے' اگر وہ سعدی کو گولی مار سکتا ہے' تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

ہاشم شدید غیر آرام دہ ہوا۔ ''مگر مجھے زمر کو شک.....''

''نوشیرواں کو اب عادت ڈالنی ہے ہاشم اپنے بگڑے کام خود سنبھالنے کی۔'' وہ اس کی طرف آئی' اور انہی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ ''زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم اپنے مسئلے خود سنبھال سکتے ہو؟''

''جی۔'' شیرو نے اثبات میں سر ہلایا۔

''او کے' اور ایک دفعہ پھر..... ہاری باری دونوں کو گھورا۔ ''لعنت ہے تم دونوں پہ!''

زمر کار کھڑی کر کے گھاس پہ اتری ہی تھی کہ ''مسز زمر!'' کی آواز آئی۔ وہ جو کسی اور دھیان میں تھی' پلٹی۔ نوشیرواں چلا آ رہا تھا جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ تھے اور چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

''او نو نوشیرواں۔'' اسے اس سے بات کرنی تھی' ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ فراموش کر گئی۔ وہ قدم قدم چلتا قریب آیا۔ سبزہ زار تاریک تھا' ٹیکسی کے برآمدے کی بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ بالکل سامنے آیا تو چہرہ روشنی میں آیا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ دراصل.....'' وہ رکا۔ زمر ٹھہر کر سننے لگی۔

''میں نے اس دن آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں آپ کی شادی کی رات دبئی گیا تھا۔'' اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر تھا۔ ''میں آپ کی شادی کے وقت ادھر ہی تھا' ان فیکٹ اگلی صبح بھی ادھر ہی تھا۔ جب بھائی آفس گیا' تب میں اپنا سامان پیک کر کے نکلا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے' مگر آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟'' اس نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے شیرو کو دیکھا۔

''کیونکہ آپ نے مجھے بالکونی میں دیکھ لیا تھا' اسموکنگ کرتے ہوئے۔'' نگاہیں پشیمانی سے جھکائیں۔ ''میں سگریٹ نہیں پی رہا تھا۔ وہ ڈرگز تھیں۔''

''اوہ!'' اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''آپ ڈرگز استعمال کرتے ہو؟''

''پلیز ممی یا بھائی کو مت بتایئے گا۔ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔ اسی لئے میں نے آپ سے جھوٹ بولا۔ آپ ممی کو بتا دیں گی' مجھے یہی ڈر تھا۔''

''آپ اپنی بالکونی میں اسموکنگ کر رہے تھے' اور آپ کے گھر والوں کو نہیں پتہ؟''

''پہلے پتہ تھا جب میں ڈرگز لیتا تھا' پھر سعدی نے بہت مشکل سے میری عادت چھڑوائی' ممی اور بھائی کو نہیں پتہ کہ میں پھر سے لینے لگ گیا ہوں۔ صرف سعدی کو پتہ تھا۔ ظاہر ہے دوستوں سے ہر بات نہیں چھپتی۔ میں اسی لئے اس کے آخری دنوں میں اسے بھی اوائیڈ کر رہا تھا' میں شرمندہ تھا۔ مگر اب.... آئی سوئیر' میں چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں' بس آپ کسی کو کچھ مت بتایئے گا۔''

زمر چند لمحے غور سے اسے دیکھتی رہی۔ ''آپ کا سعدی سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔ اس کے ریسٹورانٹ کے باہر' اور پھر یہاں پارٹی میں؟''

''جھگڑا؟'' نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت اتری (اور دل کانپ کر رہ گیا۔) ''میرا تو اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہاں بس اس نے مجھے جھڑکا تھا' ڈرگز کی وجہ سے' اور میں اس کو اوائیڈ کر رہا تھا' مگر مجھے پتہ ہے وہ میرا بھلا ہی چاہتا تھا۔''

''اوکے تھینک یو نوشیرواں۔'' اس نے سر ہلایا' الوداعی انداز میں اور قدرے تیز گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ذہن میں فی الحال کچھ اور چل رہا تھا۔ نوشیرواں نے مسکراتے ہوئے اسے واپس جاتے دیکھا اور پلٹ گیا۔ جیبوں میں رکھے ہاتھ پسینے میں بھیگ چکے تھے' اور دل ہنوز زور سے دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک تھا' مگر جواہرات کے دیے اعتماد (اور ہاشم کی آدھے گھنٹے کی Witness Preperation) نے واقعی ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک کردار ہے۔ آخری قہقہہ اسی کا ہوگا۔

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا
میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا

زمر اندر آئی تو ابا وہیں بیٹھے تھے لاؤنج میں۔ صداقت اور یم ٹی وی کے آگے جڑ کر بیٹھے' کوئی دوکان رمضان ٹرانسمیشن دیکھ کر ڈھیروں ثواب کما رہے تھے۔ وہ سلام دعا کیے بغیر سیدھی اوپر چلی گئی۔ ابا نے فکرمندی سے اسے دیکھا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے چیزیں گویا پھینکیں اور فارس کی لکھی چٹ لئے ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ مختلف خانے کھولے۔ آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ بے حد آرگنائزڈ زمر کو وہ ڈبی ڈھونڈنے میں تین منٹ لگے۔ اس نے سیاہ مخملیں ڈبی کھولی' کسی زمانے میں اس ڈبی میں اس کو وہ لونگ ملی تھی۔ اور لونگ کے ساتھ ایک چٹ بھی تھی۔ زمر نے وہ چٹ نکالی۔ اور پھر دونوں پرچیاں کھول کر سامنے کیں۔

الفاظ مختلف تھے' مگر دونوں اردو میں لکھی گئی تھیں۔ لکھائی نہ اچھی تھی نہ بری' مگر وہ ایک تھی۔ ''کاف'' کی آنکھ' ال یان کی گولائی' بالکل ایک سی تھی۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حق دق۔ متحیر۔ شل۔ بار بار ان الفاظ کو میچ کیا۔ بالکل ایک سے۔

پھر سنگھار میز پہ ہتھیلیاں رکھ کر وہ کھڑی ہوئی تو آئینے میں عکس نظر آیا۔ گھنگریالے بال کھلے تھے' چہرہ زرد تھا' آنکھوں میں عجیب سی حیرت اور صدمہ تھا' اور ناک..... ناک میں لونگ دمک رہی تھی۔ وہ ننھا سا الماس (ہیرا) اس وقت زمر یوسف کی پوری زندگی کو تہہ و بالا کر رہا تھا۔

پھر ان بھوری آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ اس نے نوچ کر وہ لونگ اتاری۔ کسی مکروہ شے کی طرح ڈبی میں ڈال کر بند کی۔ پھر باہر نکلی۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حنہ نے فوراً ہی کھول دیا۔ اس کو دیکھا تو ذرا دیر کو ٹھہری۔ اسکی آنکھوں میں سرخ لکیریں

ابھری ہوئی تھیں' لب بھنچے ہوئے تھے' اور... ناک

میں لونگ نہیں تھی۔ حنین کی الجھی ہوئی نگاہیں اس کے ہاتھ پہ جا رکیں۔ زمر نے ہتھیلی سیدھی پھیلا رکھی تھی۔ ''میری نوز رنگ' حنین!''

''جی؟''

''میں نے کہا حنین یوسف کہ مجھے میری نوز رنگ واپس چاہیے۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔ اس نے پہلی دفعہ زمر کو اپنے ساتھ اتنے کٹیلے اور سرد لہجے میں بات کرتے دیکھا تھا۔ اور جیسے زمر کو دو جمع دو چار کرنے میں چند منٹ لگے تھے' حنہ کو بھی تھوڑی ہی دیر لگی۔ وہ خشک لبوں پہ زبان پھیرتی پلٹی' اور الماری کھولی۔ آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ اس کے ایک ایک خانے کو چیک کیا۔ زرتاشہ کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیں۔ کچھ البمز۔ کچھ سی ڈیز۔ بے حد ڈس آرگنائزڈ حنین کو نتھ کی ڈبی ڈھونڈنے میں کچھ دیر لگ گئی اور پھر اس نے جھکی نظروں کے ساتھ ڈبی اس کی طرف بڑھائی۔ زمر نے اسے جھپٹا اور ملامتی نظروں سے اسے گھورتی مڑ گئی۔

فارس اور ندرت اکٹھے واپس آئے تو رات مزید تاریک ہو چکی تھی۔ وہ لاؤنج میں کھڑا' بڑے ابا سے رسمی کلمات کہہ رہا تھا جب حنہ آہستہ سے اس کے قریب آئی۔ جب وہ متوجہ نہ ہوا تو اس کی کہنی ہلائی۔ وہ چونک کر مڑا۔

''کیا؟''

حنین نے ابرو سے اوپر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''انہیں کیسے پتہ چلا؟''

''کیا؟'' فارس کو اچھنبا ہوا۔

''اوہ۔'' (تو ابھی اس کی پیشی نہیں ہوئی تھی۔) ''پھپھو کو دیکھ لیں' وہ آتے ساتھ ہی کمرے میں بند ہو گئی ہیں۔'' ہلکا سا کہا مگر ندرت نے سن لیا۔ ابا نے بھی۔ سیم نے بھی گردن موڑی۔ لاؤنج میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ فارس نے محسوس کیا سب اسی کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔

کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ رخ موڑے۔ وہ اندر آیا۔ کوٹ اتارا۔ اسے لٹکایا۔ سرسری سی نظر اس کے سرکی پشت پہ ڈالی۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ اور تب اس کی نگاہ اپنے صوفے پہ پڑی۔

اس کے سرہانے سیاہ مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا جو اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے سامنے، سینے پہ بازو لپیٹے' چبھتی نظروں اسے دیکھ رہی تھی۔

فارس کے چہرے کے تاثرات سخت اور سپاٹ ہو گئے۔ ڈبی اٹھائی اور اسے سنگھار میز پہ زور سے رکھا۔ ''واپس کرنے سے بہتر ہے اسے پھینک دیں۔''

زمر کی آنکھیں میں دکھ کے ساتھ ملامت بھی ابھری۔ ''تم کب مجھے دھوکہ دینا چھوڑو گے' فارس؟''

''میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔'' وہ بھی سامنے آ کھڑا ہوا اور لہجے کو برہم کیا۔ ''اسٹوڈنٹس ٹیچرز کو گفٹس دیتے ہیں۔ میں نے بھی دے دیا۔ پہننا یا نہ پہننا آپ کا فیصلہ تھا۔''

''تم نے اپنا نام نہیں لکھا تھا اوپر۔''

''آپ میری لکھائی پہچان سکتی تھیں۔''

''اگر تمہیں بھول گیا ہے تو یاد کروا دوں' قانون کی کتابیں انگریزی میں ہوتی ہیں۔ میں نے تمہاری انگریزی کی لکھائی دیکھی تھی صرف۔ پھر تم نے نام کیوں نہیں لکھا؟'' اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

''او کے فائن!'' وہ بھی اونچا بولا تھا۔''نہیں لکھا' ٹھیک ہے نہیں لکھا۔تو کیا کریں گی آپ؟''

زمر کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔

''تم اتنے سال میرا مذاق اڑاتے رہے' تمہیں بالکل کوئی لحاظ نہیں آیا۔میں تمہاری ٹیچر تھی!'' بولی وہ غصے سے تھی' مگر آواز گیلی تھی۔ اور ان بھوری آنکھوں میں آنسو دیکھنا۔فارس نے سر جھٹکا۔

''جب آپ کو گولی مار سکتا ہوں تو کچھ بھی کر سکتا ہوں' میں تو ہوں ہی برا۔اس لئے میری طرف سے.... پھینک دیں اسے یا آگ میں ڈال دیں۔مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں معذرت کروں گا' تو یہ میں نہیں کرنے لگا۔بلکہ میں تھک چکا ہوں آپ کو وضاحتیں دے دے کر۔اس لئے میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس وقت آپ میری ٹیچر تھیں، مجھے جیل بھیجنے والی گواہ نہیں تھیں!'' وہ واپس مڑا' چابی اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا' تب دیکھا' ذرا سی درز کھلی تھی۔وہ دروازہ پورا بند کرنا بھول گیا تھا۔یا اللہ۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ساری آوازیں نیچے گئی ہوں گی!

مڑ کر ایک نگاہ زمر پہ ڈالی جو خاموش کھڑی' آنکھوں میں پانی اور ڈھیروں غصہ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔اور پھر باہر نکلا۔زور سے دروازہ بند کیا۔

نیچے لاؤنج میں سناٹا تھا۔حنین' ندرت' ابا' سیم' سب اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ لب بھینچے تیزی سے زینے اترتا گیا۔ندرت اٹھیں۔

''فارس کہاں جا رہے ہو؟''

''کام سے جا رہا ہوں۔آجاؤں گا۔'' ہاتھ جھلا کر ان کو اشارہ کرتا وہ باہر نکل گیا۔

''حنین' جاؤ اس کو روکو۔اسے کہو مت جائے۔'' مگر حنین وہیں بیٹھی رہی۔

''امی خیر ہے' بیٹھ جائیں' وہ آجائیں گے۔'' اس نے بظاہر خود کو بے فکر ظاہر کیا البتہ بار بار پریشان نگاہ اوپر اٹھتی تھی۔(اسے پتہ تھا فارس ابا سے شرمندہ ہے، کہ انہوں نے اسے ان کی بیٹی کے ساتھ اس طرح بات کرتے سنا ہوگا۔)

بہت اندر تک جلا دیتی ہیں،
وہ شکایتیں جو کبھی بیان نہیں ہوتیں

ندرت چند لمحے چوکھٹ میں کھڑی رہیں' پھر واپس آئیں۔سیڑھیوں کے پاس ٹھہر کر گردن اونچی کی۔''زمر...زمر!'' ان کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ حنین چونکی۔ابا بھی چونکے۔سعدی کے جانے کے بعد پہلی دفعہ ان کی اتنی بلند آواز سنی تھی۔اور آنکھوں میں غصہ۔

زمر کمرے سے باہر آئی اور اوپر ریلنگ کنارے رکی۔گیلی آنکھیں رگڑ لی تھیں۔

''جی؟'' وہ پرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم نے فارس کو کیا کہا ہے؟ وہ کیوں چلا گیا ہے؟''

اوپر کھڑی زمر کی آنکھوں میں ذرا تعجب سا ابھرا۔الفاظ پہ نہیں' انداز پہ۔

''میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔'' (ابھی تو کچھ کہنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔)

''ہم نے خود سنا ہے' تم دونوں جھگڑ رہے تھے۔'' وہ پریشان تھیں اور غصے میں تھیں۔''تم اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہو؟ یہ شادی تمہاری مرضی کے بغیر تو نہیں ہوئی تھی۔''

حنین نے چہرہ موڑا۔کچن کے دروازے پہ کھڑا صداقت بنا پلک جھپکے' ادھر دیکھ رہا تھا۔

''اے!'' اس نے صداقت کو متوجہ کیا۔ وہ چونکا۔ کھلا منہ بند کیا۔

''جاؤ اپنے کوارٹر میں۔ ادھر کیا کھڑے ہو؟'' ڈپٹ کر بولی تو وہ شرمندہ سا فوراً باہر کھسک گیا۔

ادھر زمر آواز نیچی کیے کہہ رہی تھی۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے' بھابھی۔ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ خود گیا ہے۔''

''سعدی بھی ایسے ہی گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ اب فارس بھی واپس نہیں آئے گا۔ تم نے اسے مجبور کیا ہے گھر چھوڑنے پہ۔ سعدی بھی تمہاری وجہ سے گیا تھا۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

''میری وجہ سے؟'' زمر دم بخود رہ گئی۔

''ہاں۔ تم اس روز سعدی سے لڑی تھیں۔ میں نے خود سنا تھا۔ تم اس کو ڈانٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ گھر سے چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔''

حنین کو لگا' کسی نے اس کے منہ پہ بیلچہ دے مارا ہو۔ وہ ہکا بکا سی کھڑی ہوئی۔ ''نہیں امی' پھپھو تو میرے لئے.... میری سائیڈ لے رہی تھیں۔'' اس نے وحشت سے زمر کو دیکھا جو ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' سن سی کھڑی تھی۔

''سعدی میری وجہ سے نہیں گیا بھابھی۔''

''تم نے فارس کو گھر سے نکالا ہے' جیسے تمہاری امی نے مجھے نکالا تھا' تم لوگوں نے ساری زندگی ہمارے ساتھ یہی کیا ہے' اب تم فارس کے ساتھ وہی کر رہی ہو۔'' دکھ سے ان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

''ندرت!'' ابا نے برہمی سے ٹوکا۔

''میری امی کے بارے میں کچھ مت کہیے۔ اور سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔'' وہ بدقت بول پائی۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگی تھیں۔ ''میں اس سے نہیں لڑی تھی' صرف ذرا سا خفا...''

''تمہیں کیا حق تھا اس سے خفا ہونے کا؟'' وہ ایک دم زور سے چلائیں۔ حنین ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ ''وہ میرا بیٹا تھا۔ تمہارا بیٹا نہیں تھا۔ یہ میرے بچے ہیں' ان کو صرف میں ڈانٹ ہو سکتی ہوں' تم اپنے سارے حق اپنے بچوں کے لئے رکھو۔''

''ندرت' بس کر دو!'' ابا بلند آواز میں سختی سے بولے اور ندرت چپ ہو گئیں۔ کیونکہ کہنے کے بعد ان کو احساس ہوا تھا کہ ان کا آخری فقرہ... ان کا آخری فقرہ مناسب نہ تھا۔

اور اس آخری فقرے نے زمر کا دل ہی توڑ دیا۔

اس کا ریلنگ پہ جما ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ چہرہ جھکائے قدم قدم زینے اترتی گئی۔ لاؤنج میں وحشت ناک سا سناٹا چھا گیا۔ زمر کسی کو بھی دیکھے بغیر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ حنین کی نظریں اس کے قدموں پہ جا ٹھہریں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ پھر وہ اسی طرح باہر نکل گئی مگر حنین میں کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

دروازہ بند ہوا تو ندرت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں' سیڑھیاں چڑھتی گئیں۔ وہ شاید رو بھی رہی تھیں۔

ابا فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھ رہے تھے پھر سیم اٹھا اور باہر گیا۔ چند لمحے بعد وہ واپس آ گیا۔ ''پھپھو باہر نہیں ہیں۔ کہاں چلی گئیں؟''

حنین نے پریشانی سے فارس کا نمبر ملایا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ ایک بار' دوسری بار۔ پھر اس نے غصے سے ٹیکسٹ بھیجا۔

''امی اور پھپھو کی لڑائی ہوئی ہے اور امی نے پھپھو کو گھر سے نکال دیا ہے۔'' اور پھر گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ حسبِ توقع فون فوراً بجا۔

''کیا ہوا؟'' وہ واقعی تشویش سے بولا تھا۔ آواز سے لگتا تھا' ڈرائیو کر رہا ہے۔

''وہی جو لکھا تھا۔ امی نے پھپھو کو بہت سنائیں' اور وہ گھر سے چلی گئیں۔''

''قصور کس کا تھا؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

''آپ کا!'' اور پھر امی کے سارے الفاظ دہرا دیے۔

تھوڑی دیر گزری اور گاڑی کی آواز آئی تو بڑے ابا کے چہرے پہ چھائی تفکر کی لکیریں کم ہوئیں۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا تو فکر مند لگ رہا تھا۔

''آپ کدھر چلے گئے تھے؟''

''یونہی۔ باہر۔'' اس نے ابا سے نگاہیں چرائیں مگر ابا کو اس کا غصے سے ان کی بیٹی پہ چلانا یاد نہیں تھا' ان کو صرف زمر کی فکر تھی۔

''جاؤ' زمر کو دیکھو وہ کہاں چلی گئی۔''

''گاڑی تو کھڑی ہے اس کی۔ تمہاری امی کہاں ہیں؟'' ساتھ ہی اوپر دیکھا۔

''امی ٹھیک ہیں' ان کی فکر مت کریں۔ بس پھپھو کو لے آئیں۔ ان کو کھونا ایسے ہے جیسے ہم سعدی بھائی کو دوسری دفعہ کھو دیں گے۔''

حنین ایک دم اداس ہو گئی تھی۔

''میں دیکھتا ہوں' تم جاؤ اپنی امی کے پاس بیٹھو۔'' وہ الٹے قدموں مڑ گیا۔

باہر سبزہ زار سنسان پڑا تھا۔ وہ قصر کے فرنٹ تک آیا۔ ملازموں کی آگے پیچھے آمد و رفت کچھ غیر معمولی لگ رہی تھی۔

زمر کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ گیٹ کے قریب آیا تو اوپری کیبن سے گارڈ نے پکارا۔

''سر! مسز غازی اس طرف گئی ہیں۔'' اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ گارڈ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ وہ باہر گئی تھی۔ باہر سڑک تاریک تھی۔

''فلیش لائٹ دو۔'' اس نے ہاتھ اٹھایا۔ گارڈ نے لائٹ اس کی طرف اچھالی۔

''لے جائیں سر! بھلے ہمیشہ کے لئے لے جائیں۔'' دل برداشتہ سا کہتا گارڈ واپس بیٹھ گیا۔

فارس نے لائٹ تھامی اور گیٹ سے باہر آیا۔ وہ پہاڑی کو کاٹ کر بنائی سڑک تھی۔ دور دور اونچے محلات تھے' کہیں کئی کئی کنال کی جگہ خالی تھی۔ وہاں جنگل اگے تھے۔ وہ جو گرز پتھروں پہ رکھتا' سڑک کنارے اوپر چڑھنے لگا جہاں اونچے درخت تھے۔ ساتھ ہی فکر مندی سے اسے پکارتا روشنی پھینک رہا تھا۔

''زمر!'' آواز رات کے اندھیرے میں گم ہو جاتی' کبھی لوٹ کر سنائی دیتی۔ وہ اوپر چڑھتا آیا۔ ٹارچ والا ہاتھ مسلسل ہل رہا تھا۔ پھر روشنی ایک جگہ تھمی۔ درختوں کے بیچ اسے وہ نظر آئی تھی۔ زمین پہ ننگے پاؤں اکڑوں بیٹھی۔ تھوڑی گھٹنوں پہ رکھے۔

فارس نے گہری سانس خارج کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس تک آیا۔ پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کے جوگرز تلے کچلنے کی کرچ کرچ نے خاموشی کو توڑا۔ وہ اس کے قریب آ رکا۔

''آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ گھر چلیں۔''

وہ نہیں ہلی۔ گردن بھی نہیں اٹھائی۔

''زمر' ہم سارے مسئلے گھر جا کر سلجھا سکتے ہیں۔ اٹھیں۔'' جب اس نے جواب نہیں دیا تو فارس نے ٹارچ زمین پہ رکھی اور اس کے سامنے درخت سے ٹیک لگا کر خود بھی اکڑوں بیٹھ گیا۔

''آپا نے جو بھی کہا دل سے نہیں کہا۔ وہ آپ کو ہرٹ کر کے خود بھی ہرٹ ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ ان سے ناراض مت ہوں۔''

''میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ سعدی سے بھی نہیں تھی۔'' وہ ہلکا سا بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔ ٹارچ پتوں پہ پڑی تھی' روشنی مخالف سمت کے درختوں پہ پڑ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

''ان کو پتہ ہے آپ سعدی سے خفا نہیں تھیں۔ نہ ان کو یہ بات اذیت دے رہی ہے۔''

زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔ میں نے اسے نہیں بھیجا۔ میں چار سال اس سے ناراض بھی نہیں تھی۔ مجھے یہ لگتا تھا کہ بچے اب مجھ سے محبت نہیں کرتے' اس لئے میں پیچھے ہٹ گئی تھی' مگر میں غلط تھی۔ اور مجھے اس کے لئے بہت دکھ ہے۔'' آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ کون سی لونگ، کہاں کا خشت، دونوں کو بھول گیا تھا۔

رات کا سناٹا اور جنگل کے اونچے درخت خاموشی سے سن رہے تھے۔ سامنے تنے سے ٹیک لگائے فارس نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''سب کو پتہ ہے یہ بات۔''

''میرے پاس کوئی امید نہیں ہے' سوائے ان بچوں کے۔ مگر نہیں....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے بچے نہیں ہیں۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر سعدی کو ہم واپس لے آئیں' سب کچھ ٹھیک ہو جائے' تو سب سیٹل ہو سکتے ہیں' سوائے میرے۔ میرا کیا ہوگا؟'' آنسو برابر گرتے جا رہے تھے۔ اس نے چہرہ جھکایا اور ناک سکوڑ کر پانی اندر اتارا۔

''وہ واقعی آپ کے بچے نہیں ہیں۔ وہ آپ کے بھتیجے ہیں' اور یہ ایک مختلف رشتہ ہوتا ہے۔ اس کے اپنے حق ہوتے ہیں اور وہ آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔''

زمر نے جواب نہیں دیا۔ جھکے چہرے پہ لڑھکتے آنسو اندھیرے میں بھی اسے دکھائی دے رہے تھے۔ ہلکی سی ہوا چل رہی تھی' جس سے اس کے گھنگریالے کھلے بال بار بار اڑ کر چہرے پہ آ رہے تھے۔

''مجھے دوبارہ کبھی وہ خوشی نہیں مل سکتی جو کبھی میرے پاس تھی۔''

''زمر' روئیں مت۔ آپ کو روتے دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ آپ پہ یہ سوٹ نہیں کرتا۔ آپ مضبوط اچھی لگتی ہیں۔ اور مغرور بھی... اور اکھڑ بھی...'' اس نے چہرہ اٹھایا۔ اگیلی آنکھوں میں تعجب در آیا۔

وہ اس کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اور بدتمیز بھی....' اور روڈ... اور Bossy اور... بے مروت بھی' اور...'' وہ نرمی سے ایک ایک لفظ گنواتا جا رہا تھا۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتی رہی' پھر ہلکا سا مسکرائی اور ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

''میں ایسی نہیں ہوں۔'' گردن کڑا کر بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔ ''میں کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوں۔''

''آپ کی ڈکشنری میں شائستگی کی تعریف کیا ہے؟'' وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔ زمر ہاتھ سے آنسو پونچھتی ہلکا سا ہنس دی۔

''عورتوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسی میں ہوں۔'' پھر مسکراہٹ آہستہ آہستہ سمٹی۔ چند لمحے پہلے کی تلخی نے دل کو دوبارہ سے کسک دی۔ اس نے گردن موڑ کر دور تک پھیلے درختوں کو دیکھا۔ کہیں دور کبھی کسی گاڑی کی زن سے گزرنے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر سناٹا چھا جاتا۔

''کیا وہ مجھ پہ اتنی خفا تھیں؟'' وہ پھر سے آزردہ ہوئی۔

''اونہوں۔ انہیں آپ پہ غصہ نہیں ہے۔ ان کو الزام دینے کے لیے کوئی چاہیے۔ ہم سب کو چاہیے ہوتا ہے۔ وجہ یہ گھر ہے۔ ان کی اس گھر سے اچھی یادیں وابستہ نہیں ہیں۔''

''مطلب؟'' وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ اندھیرے میں سامنے بیٹھے فارس کا چہرہ مدھم سا دکھائی دیتا تھا' مگر اس پہ آنچ سی تھی۔

''ابھی گھر چلیں۔ پھر کسی وقت ان سے پوچھ لیجئے گا۔''

''نہیں' بتاؤ' میں سن رہی ہوں۔'' وہ دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ ''یہ میری امی کا گھر ہے' اور....'' کہتے ساتھ ٹارچ اٹھائی کہ اسے بند کر دے' تبھی روشنی زمر پہ گری تو وہ چونکا۔ ٹارچ اس کے اوپر ڈالی۔ زمر نے آنکھیں چندھیا کر چہرہ پرے ہٹایا۔ وہ اس کے قدموں میں دیکھ رہا تھا۔ کپڑوں پہ مٹی۔ کانٹے اور....

''پاؤں کو کیا ہوا ہے آپ کے؟'' چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ ''آپ گری ہیں؟'' زمر نے سر جھٹکا۔

''شاید۔''

اس نے روشنی اس کے پاؤں پہ ڈالی۔ انگوٹھا خون میں ڈوبا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''گھر چلیں۔''

''تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے' تمہیں پتہ ہے۔'' ہمیشہ کے برعکس' وہ غصے یا سختی سے نہیں بولی تھی' بس تھکن سی تھی آواز میں۔

''اچھا' میں آتا ہوں۔'' جانے لگا' پھر رکا۔ ''میرے آنے تک ادھر سے ہلیے گا نہیں' ورنہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں' آپ ابھی مجھے جانتی نہیں ہیں۔'' تنبیہہ کرتا وہ نیچے اترتا گیا۔ ٹارچ بجھا دی تھی۔ گیٹ تک دوبارہ آیا تو گارڈ کا کیبن خالی تھا۔ کیبن کی سیڑھی کے آس پاس دیکھا۔ مدھم مدھم سی آوازیں آئیں۔ فوراً قریبی درخت کی اوٹ میں ہوا۔ پھر ٹہنیوں کے درمیان سے جھانکا۔ گارڈ کی پشت تھی' اور اس کے سامنے فیونا کھڑی کہہ رہی تھی۔

''مجھے واقعی نہیں معلوم کہ وہ سارے اسٹاف کو کیوں نکال رہے ہیں' مگر اکبر تم بے فکر رہو۔ میں اپنے اسٹاف کی ہیڈ ہی نہیں' خیر خواہ بھی ہوں۔ میں مسز کاردار سے کہہ دوں گی کہ تم لوگ جاؤ گے تو میں بھی جاؤں گی۔''

''اور وہ تمہیں ایک بہتر پیکج دے دیں گے اور تم ٹھہر جاؤ گی۔ اگر تمہاری جگہ میری اینجیو ہوتی' تو وہ ہم سب کے لئے لڑتی۔'' وہ مایوس لگ رہا تھا۔

''میرا قصور نہیں ہے اس میں۔ یہ سب مسز زمر نے کیا ہے۔ انہی کا فون آیا تھا اور اس کے بعد مسز کاردار نے یہ حکم جاری کیا۔''

وہ اوٹ سے نکلا اور آواز دی۔ ''اکبر!'' گارڈ فوراً گھوما۔ فیونا بھی چونکی۔ وہ چلتا ہوا ان تک آیا۔

''میری بیوی کو چوٹ لگی ہے' کچھ لادو پٹی وغیرہ کے لئے۔'' فیونا کو مخاطب کیا تو وہ فوراً تابعداری سے آگے ہوئی۔

''اکبر اپنے کیبن سے ایڈ باکس لے آؤ۔ سر' چوٹ زیادہ ہے؟ میں ڈاکٹر کو فون کروں؟ یا پھر میں ان کی پٹی کر دوں؟''

''اونہوں۔ میں کر لوں گا۔'' اکبر پیکٹ لے آیا تو فارس فیونا پہ ایک گہری نظر ڈالتا' چیزیں لئے پلٹ گیا۔

بے خیالی میں کبھی انگلیاں جل جائیں گی
راکھ گزرے ہوئے لمحوں کی کریدا نہ کرو

اوپر آیا تو زمر ویسے ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا۔ ایک گھٹنا موڑے' دوسرا پاؤں زمین پہ رکھے۔

''اور کہاں چوٹ آئی ہے؟'' آئس پیک نکال کر اسے دیا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا' اور آستین اوپر کر کے کہنی پہ رکھا۔ فارس نے ٹارچ اسے تھمائی۔ ''یہ اس اینگل پہ رکھیں۔'' اور جب روشنی اس کے انگوٹھے پہ پڑنے لگی تو وہ گیلے وائپ سے اس کے پیر کا خون صاف کرنے لگا۔ زمر اس کے جھکے سر کو دیکھے گئی۔

''ندرت بھابھی کو اس گھر سے کیا مسئلہ تھا؟'' ان دونوں کو معلوم تھا وہ کیا سننے کے لئے بیٹھی ہے۔ وہ سر جھکائے' زخم صاف کرتے کہنے لگا۔

''یہ میری امی کا گھر ہے' اور میری امی ان کی سوتیلی ماں تھیں۔'' اس نے آہستہ سے وہ نوکیلی سی چیز اس کے ماس سے نکالی جس نے انگوٹھے کو کاٹا تھا۔ زمر کے لبوں سے ''سس'' نکلی۔ فارس نے رک کر اسے دیکھا۔

''ہلکا سا زخم ہے' ٹھیک ہو جائے گا۔ کل ٹیٹنس کا انجیکشن لگوا لیجئے گا۔''

''مجھے کوئی درد نہیں ہو رہا۔'' اس نے شانے اچکائے۔ پھر رکی۔ سرسری انداز میں پوچھا۔ ''تمہارے ابو اور تمہاری امی اور ان کی پہلی بیوی کے.... میرا مطلب ہے... کیسے تعلقات تھے ان سب کے؟ ویسے مجھے پتہ ہے' مگر صرف ان کی سائیڈ کی اسٹوری۔ تمہاری سائیڈ کی نہیں معلوم۔''

اور یہ پہلی دفعہ تھا جب زمر نے بغیر کسی غصے یا عداوت کے اس کی طرف کی کہانی سننی چاہی۔ اس کے انگوٹھے پہ دوا لگاتے ہاتھ رکے۔ لمحے بھر کو ذہن کہیں دور جا پہنچا۔

''یہ گھر میری امی کا ہے۔ شادی سے پہلے وہ اپنے بھائی اورنگزیب کاردار کے ساتھ ان کے گھر رہتی تھیں۔ تب یہ جگہ اتنی ڈیویلپڈ اور ایلیٹ نہیں تھی۔ ابو نے ان سے محبت کی شادی کی تھی۔ پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی۔ مگر اتنے گٹس نہیں تھے ان میں کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے جاتے۔ ندرت آپا اور وارث کی امی نے بہت ہنگامہ کیا شادی پہ۔ سو پتہ نہیں کس نے طے کیا مگر امی ادھر انیکسی میں رہنے لگیں۔ ابو یہیں آ جاتے' کبھی رہتے' کبھی چلے جاتے۔ وہاں ان کے بچے تھے۔ یہاں صرف بیوی۔'' سر جھکائے' آہستہ آہستہ آئنمنٹ اس کے انگوٹھے پہ لگاتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ اس کو اتنا بولنے کی عادت نہیں تھی۔ زمر کے لئے وہ ایک کم گو' پراسرار سا شخص تھا۔ کیا سوچتا ہے' کیا چاہتا ہے' وہ کبھی نہیں کہتا تھا۔ آج کہہ رہا تھا' اور وہ بالکل یک ٹک محو ہو کر سن رہی تھی۔

''میں آٹھ سال کا تھا جب ندرت اور وارث کی امی کا انتقال ہوا۔ ابو مجھے اور امی کو پھر اپنے گھر لے گئے۔ ندرت آپا تب اٹھارہ سال کی تھیں' اور وارث بارہ کا۔ ہم لوگ چھ ماہ رہے ادھر...'' بولتے بولتے وہ چپ ہو گیا۔ پھر پیکٹ سے پٹی نکالی اور اس کے انگوٹھے کے گرد لپیٹنے لگا۔ جنگل کے اونچے درختوں میں خاموشی چھا گئی۔

''پھر؟'' وہ بے چینی سے بولی۔ اپنی ساری انا' اکڑ اور بے نیازی چند لمحے کے لئے پسِ پشت ڈالے۔

''پھر کیا؟'' وہ سر جھکائے سفید پٹی لپیٹ رہا تھا۔

''ندرت بھابھی لوگوں کا رویہ کیسا تھا تم لوگوں کے ساتھ؟'' اس نے ندرت بھابھی کے ذکر کو ذرا نمایاں کیا۔ وہ یہ سوال صرف انہی کی وجہ سے تو کر رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ ''وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ اور میری ماں سے بھی۔ ہم سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ امی بھی کوئی بہت صابر شاکر خاتون نہیں تھیں' ماموں جیسا غصہ تھا ان میں بھی۔ مجھ میں بھی۔ خیر۔ بہت جھگڑے ہوا کرتے تھے آپا اور امی کے۔ وارث لڑتا نہیں تھا مگر جہاں میں آ کر بیٹھتا' وہ اٹھ جاتا۔ اگر بول رہا ہوتا تو مجھے دیکھ کر چپ ہو جاتا۔ ہم چھے ماہ وہاں رہے۔ بدترین دن تھے وہ....''

''پھر واپس کیوں چلی گئیں تمہاری امی؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔ پتہ نہیں کیوں' اس مہیب تاریک جنگل میں اس کے ساتھ بیٹھے' اسے چار سال پہلے کی وہ گولیاں' وہ فون کال' سب بھولنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا' وہ فارس غازی سے پہلی دفعہ مل رہی ہے۔

''امی نہیں گئی تھیں۔ میں گیا تھا۔'' سر جھکائے، فارس نے پٹی کے اوپر شفاف ٹیپ لگا کر اسے پکا کیا۔ پھر پیچھے ہٹا۔ زمر نے بھی پیر ذرا پیچھے کھینچ لیا۔ واپس درخت سے ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھا' اور دائیں جانب درختوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اپ سیٹ تھا ایک دن' تنگ آ گیا تھا ادھر سے' تو بھاگ گیا۔ مذاق نہیں کر رہا۔ سچ میں۔ ڈھائی گھنٹہ بھاگتا رہا۔ پھر یہاں پہنچ گیا۔ واپس۔''

''تمہیں گھر کا راستہ آتا تھا؟ اتنی سی عمر میں؟'' اس کو تعجب ہوا۔ فارس نے گردن اس کی طرف موڑی' اداسی سے مسکرایا۔

''مجھے تو بہت کچھ آتا ہے۔ آپ مجھے جانتی ہی کتنا ہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولی۔ بس پرسوچ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''میں ادھر آیا تو اورنگزیب ماموں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ گھر پہ نہیں تھے۔ مسز کاردار تھیں۔ یہ لوگ تب بھی امیر تھے' مگر اتنے امیر نہیں تھے۔ ان کا گھر بھی تب مختلف تھا۔ یہ عالیشان قصر تو بعد میں ڈھا کر کھڑا کیا تھا۔ خیر۔ مسز جواہرات گھر پہ تھیں۔ وہ مجھے اندر لے آئیں' میرے لئے کمرہ تیار کروایا' میرے پیروں کی مرہم پٹی کی۔ بہت خیال سے دو دن مجھے اپنے گھر رکھا۔ تیسرے دن میرے ماں باپ کو بلایا' اور اپنے بچے کو لے جاؤ۔ یہ سارے کاردارز امریکی کھوپڑی والے ہیں' مہمان بس دو دن اچھا' پھر مچھلی بن جاتا ہے۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ بھی شاید مسکرایا تھا' مگر اب پھر سے گردن موڑے اندھیر درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ ''امی اور میں واپس ادھر ہی آ گئے' اور ابو اپنے بچوں کے ساتھ رہے۔ اگلے سال ندرت آپا کی شادی ہوگئی۔ وارث کو ابو نے پڑھنے لاہور بھیج دیا' ذکیہ خالہ کے گھر۔ وہ وارث اور ندرت کی امی کی سگی بہن ہیں۔ یونو' سارہ کی امی۔ وارث وہیں پڑھتا رہا' اور ابو میرے اور امی کے پاس واپس آ گئے۔''

ہوا تاریک درختوں کے پتوں کے بیچ سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اس کی گھنگریالی لٹیں چہرے پہ آ رہی تھیں' جن کو وہ بار بار کان کے پیچھے اڑستی تھی۔ نگاہیں فارس کے چہرے پہ ٹکی تھیں۔ اس نے اب سر درخت کے تنے سے لگا رکھا تھا' اور آنکھوں میں بے پناہ تھکن تھی' کرب تھا۔

''میں دس سال کا تھا جب سعدی پیدا ہوا۔''

(میں آٹھ سال کی تھی۔) اس نے صرف سوچا۔ بولی نہیں۔ وہ کبھی کبھی تو بولتا تھا' اسے لگا اگر بولے گی تو اس کی یکسوئی ٹوٹ جائے گی۔

''اور میں تیرہ سال کا تھا جب ندرت آپا ناراض ہو کر ہمارے گھر آ گئیں۔ ان کا آپ کی امی سے جھگڑا ہوا تھا۔ سعدی کو بھی وہیں چھوڑ آئے' غصے میں' کہ خود پالیں۔ اور ابو چونکہ دوسرا گھر بیچ چکے تھے' اس لئے ان کے پاس یہاں آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ وہ واحد عرصہ تھا جو آپا نے اس گھر میں گزارا' اور تب بھی حالات ویسے ہی تھے' جیسے آج ہیں۔ سعدی ان سے چھن چکا تھا' اور وہ بہت کرب اور تکلیف میں تھیں۔ تین ماہ بعد ابو کا انتقال ہوگیا' اور ندرت آپا کی ساری زندگی گویا ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ وارث کی چھٹیاں تھیں' وہ بھی ادھر آ گیا۔ اب ہمارے جھگڑوں کی ساری وجوہات ختم ہو چکی تھیں۔ سعدی نہیں تھا' تو پتہ نہیں کیوں آپا کا رویہ مجھ سے بدلنے لگا۔ انہوں نے مجھے ایک چھوٹے بھائی کے طور پہ قبول کر لیا۔ وہ لوگ اب بھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے' مگر برا بھی نہیں کہتے تھے۔ پھر آپا کی صلح ہوگئی تو وہ چلی گئیں اور وارث بھی... میں اور امی ادھر ہی ہوتے۔''

وہ پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

''میں اٹھارہ سال کا تھا جب امی فوت ہوئیں۔ تب آپا آئیں اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئیں۔ اس صلح کے بعد ہی آپ کے بھائی نے ان کو الگ گھر لے دیا تھا۔ میں کافی عرصہ ان کے گھر رہا۔ حنہ تب ایک سال کی تھی۔ مگر اس کے بعد آپا اور وارث نے ہمیشہ میرا خیال رکھا' ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کر دیا' اور ہمارے سارے اختلافات پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئے۔ بلکہ.... وارث اور میں تو بہت اچھے دوست بن گئے تھے....'' وہ یاد کر کے کہتا جا رہا تھا۔

''پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا!''

خوبصورت رات کا فسوں چھناکے سے ٹوٹا۔ وہ کہہ کر ایک دم چپ ہوگئی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا' پھر آنکھیں میچ کر جیسے بہت سارا ضبط کیا' اور جب آنکھیں کھولیں تو زمر نے دیکھا' اس کے تاثرات اب سخت ہو چکے تھے۔ وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

پیکٹ اٹھالیا۔(یہ عورت کسی دن واقعی میرے ہاتھوں ایک قتل کروائے گی!)

''سحری کا وقت شروع ہونے والا ہے' گھر چلیں' سب پریشان ہوں گے آپ کے لئے۔'' وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ آگے چلنے لگا۔ زمر کو اندر ہی اندر اس موقعے پہ وارث کی موت کا افسوس کرنے پہ افسوس ہوا۔

وہ دونوں خاموشی سے گیٹ تک آئے تو اس نے پیکٹ اوپر کیبن تک اچھالا جسے گارڈ نے بروقت کیچ کیا۔ پھر ایک نظر ساتھ چلتی زمر پہ ڈالی جو کسی اور خیال میں گم تھی۔

''مسز کاردار نے اسٹاف نکال دیا سارا۔'' غور سے اسے دیکھا۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''ان کی مرضی۔'' وہ اس سے لاعلم تھی۔ فارس نے فیونا کی باتوں کو ذہن سے جھٹکا۔

''آپ نے نوشیرواں سے بات کی؟'' اب وہ دونوں سرسری انداز میں بات کرتے سبزہ زار سے گزر رہے تھے۔

''ہوں۔'' وہ بتاتی گئی۔

''آپ نے یقین کرلیا؟''

''نہیں' وہ اب بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ ضرور کچھ جانتا ہے اور اسے چھپا رہا ہے۔''

''میں بات کرتا ہوں۔'' ''نہیں' فی الحال اس کو کھلا چھوڑ دو' اگر وہ کانشس ہوگیا تو نہیں بتائے گا۔''

جب وہ دونوں اندر آئے تو حنہ' سیم اور ابا ویسے ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ان کو پرسکون اور نارمل سا آتے دیکھ کر ان سب کے بھی سانس بحال ہوگئے۔ پھر کسی نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ صداقت کو حنہ نے بلالیا' وہ آکر سحری تیار کرنے لگا۔ زمر دہی کا پیکٹ اور چمچ لئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ندرت نے بھی سحری کمرے میں ہی کی۔ باقی سب نیچے خاموش سے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔

جب فجر اتر آئی' اور سورج طلوع ہوکر تپتا سنہرا ہوگیا' اور سب اپنے کمروں سے نکلے' تیار ہوکر ایک نئے دن کے آغاز کے لئے تو زمر باہر آئی اور ندرت کو سلام کیا' انہوں نے جواب بھی دیا' اور یہ بھی پوچھا کہ وہ ابھی ریسٹورانٹ جائے گی یا بعد میں۔ زمر نے بھی اتنے ہی نارمل انداز میں بتایا کہ وہ پہلے کورٹ جائے گی' ایک کلائنٹ کی سماعت ہے' اور پھر ریسٹورانٹ آئے گی۔ اور یہ سب کہتے ہوئے سب نے دیکھا کہ اس نے وائٹ گولڈ کی نتھ پہن رکھی ہے' مگر کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ لونگ کہاں گئی۔

اور جیسے کہ عموماً رشتے داروں میں ہوتا ہے' لڑائی کے بعد معافی تو کوئی نہیں مانگتا مگر موڈ اچھا کرکے یہ بتایا جاتا ہے کہ ہمارے گلے شکوے دھل گئے ہیں' سو ان کے گھر کا ماحول بھی نارمل ہوگیا۔ البتہ اسی صبح' زمر کے نکلنے سے پہلے حنین نے سعدی کا لیپ ٹاپ لاکر اس کے سامنے رکھا۔

''یہ میں نے کھول دیا ہے۔ اب کوئی پاسورڈ نہیں ہے اس پہ۔ آپ دیکھ لیں۔ کوئی اور بھی کام ہو تو بتائیے گا۔'' نگاہیں جھکائے وہ پلٹ گئی۔ زمر نے بھی کچھ نہیں کہا۔

مگر اس واقعے کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ ندرت جو بالکل چپ ہوگئی تھیں' وہ نارمل ہونے لگیں۔ سیم' حنہ کو ڈانٹ ڈپٹ' گھر کے کام سب کچھ انہوں نے نارمل انداز میں پہلے کی طرح کرنا شروع کردیا۔ سعدی کے لئے دعا اور یاد ویسی ہی تھی' مگر انہوں نے سمجھوتا کرلیا تھا۔ حنین نے بھی اس کے بعد زمر کو سنانا بند کردیا اور زمر نے فارس سے تلخ باتیں کہنی چھوڑ دیں۔

بالآخر سعدی یوسف کے گھر والوں نے یہ جان لیا تھا کہ ایک دوسرے کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں ہونا' بلکہ جو پاس ہے' وہ بھی چلا جائے گا۔

❖❖❖

دو چار نہیں مجھ کو، فقط ایک دکھا دو ..... وہ شخص جو اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

سعدی نے آنکھیں کھولیں تو دھندسی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ منظر ذرا واضح ہوا۔ وہ آہستہ سے کہنی کے بل اٹھ بیٹھا اور آس پاس دیکھا۔

پچھلے چند دن سے وہ اس کمرے میں جاگا کرتا تھا۔ نیند کی حالت میں اسے شفٹ کیا گیا تھا' کہاں؟ کچھ معلوم نہیں۔ رمضان کتنا گزر چکا تھا' سحری کب ہے اور افطار کب' اس کمرے میں کچھ خبر نہ ہو پاتی تھی۔

وہ ایک سادہ بیڈروم تھا۔ دیواریں سینڈ کلر میں پینٹ شدہ تھیں۔ دروازے سفید تھے۔ ایک سنگل بیڈ تھا جس پہ وہ لیٹا تھا۔ ساتھ ملحقہ باتھ روم۔ اور کچھ نہیں، سوائے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے اس کے قرآن' اور جائے نماز کے' یا پھر ایک کاؤچ کے جس پہ دن کا اکثر حصہ میری ایجیو آ کر بیٹھ جاتی تھی۔

اس وقت وہ وہاں نہیں تھی' بلکہ دروازہ کھول کر ڈاکٹر مایا اندر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نرس بھی تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر دیکھا، کھلے دروازے کے پار گارڈز کھڑے تھے' آگے شاید ٹی وی لاؤنج تھا۔ اتنا ہی نظر آیا اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

مایا بیڈ کے قریب اسٹول پہ بیٹھی۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے جنہیں وہ کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ نیلی جینز پہ لمبا سفید اوور آل پہن رکھا تھا۔ کم عمر چہرے پہ معصوم سا تاثر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ مایا نگاہیں سعدی کے زخموں پہ جھکائے' نرس کو پٹی کی ہدایت دیتی رہی۔ اس کے زخم مندمل ہونے کے قریب تھے۔

نرس چلا گیا' تو وہ اٹھی' گولیاں اور پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا۔ نگاہیں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں اس لڑکے کے لیے اپنائیت بھری ہمدردی تھی۔

''پی لو۔ تم روزہ نہیں رکھ سکتے' دوا دینی پڑتی ہے۔ یہ مسٹر کاردار کا حکم نہیں ہے' میرا ہے۔''

اس نے گلاس تھاما اور دوا پانی سے نگل لی۔

وہ اسٹول پہ بیٹھ کر یونہی اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''تمہاری فیملی میں کون کون ہے؟''

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی شفاف آنکھوں میں ڈھیروں ترحم لئے' اسے دیکھ رہی تھی۔

''بہن' بھائی' امی' اور بھی کچھ لوگ۔''

''کیا ان کو معلوم ہے کہ تم کس کے پاس ہو؟''

''نہیں۔'' وہ ہلکا سا بولا۔ سر جھکا دیا۔

''میں اپنے باپ کی وجہ سے مجبور ہوں۔ وہ مقروض ہیں ہاشم کاردار کے۔ اور میں اس نوکری پہ مجبور ہوں، ورنہ...'' اس کی آواز سرگوشی میں بدلی۔ تبھی دروازہ ایک دم کھلا۔ مایا کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی۔ سعدی نے بھی چونک کر دیکھا۔

میری اندر داخل ہو رہی تھی اور... اسے کچھ کھٹکا تھا۔

''تم ابھی تک کیوں بیٹھی ہو؟''

مایا' ذرا گھبرا کر اٹھی۔ صاف ظاہر تھا وہ میری کے رعب میں تھی۔

''میں اس سے طبیعت پوچھ رہی تھی۔'' وہ ڈر گئی تھی۔

میری نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''تمہیں اس سے مخاطب ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ باہر جاؤ۔'' مایا فوراً سے باہر نکل گئی تو میری اس کے قریب آئی۔ سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

''وہ کیا پوچھ رہی تھی؟''

''یہی کہ میری فیملی میں کون کون ہے؟''

میری چند لمحے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھتی رہی' پھر اس نے زوردار تھپڑ سعدی کے منہ پہ مارا۔

اس کا پورا دماغ گھوم گیا، دنیا چکرا گئی۔ دوسری طرف کو گرنے لگا اور ابھی سنبھل ہی نہ پایا تھا کہ وہ جھکی' اور اسے گردن سے دبوچ کر سامنے کیا۔

''میں زندگی میں تمہیں پہلی اور آخری نصیحت کر رہی ہوں' سعدی یوسف خان! مایا اچھی ہے' بہت اچھی۔ لیکن اگر تم نے اس کا استعمال کرنے کی کوشش کی' تو تمہارا بہت برا حال ہوگا۔ ہاشم تمہاری جان لے لے گا۔'' جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ سعدی کا پورا سر چکرا کر رہ گیا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا اسے۔'' (اگر کسی مرد نے مارا ہوتا تو وہ وضاحت نہ دیتا مگر وہ میری تھی۔) لیکن میری سنے بغیر ہی تیزی سے باہر مایا کے پیچھے لپکی تھی۔

❖❖❖

وہ مجھ کو قتل کر کے کہتے ہیں ..... مانتا ہی نہ تھا یہ، کیا کہیئے؟

انیکسی دھوپ میں جھلس رہی تھی جب وہ کسی کام سے گھر آیا۔ اور سیدھا اوپر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ کھڑکیاں کھلی تھیں' روشنی اندر آ رہی تھی۔ زمر اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی' مٹھی گال تلے رکھے کچھ سوچے جا رہی تھی۔ سامنے سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔

وہ رات والے لباس میں تھی' بال بھی گول مول بندھے تھے۔ صبح سے باہر نکلی نہیں تھی۔ پیر کا انگوٹھا اس روز سے آج تک پٹی میں بند تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتے الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا تم نے میری پکچرز لی تھیں؟'' اس کے سوال پہ وہ رکا' اور پلٹا تو چہرہ سامنے آیا' اس پہ تعجب تھا۔ زمر پشت کیے بیٹھی رہی۔

''کیا؟''

''جب میں اس ریسٹورانٹ میں زخمی پڑی تھی' اور تمہاری بیوی بھی' تو کیا تم نے اس منظر کی پکچرز لی تھیں؟'' بڑے ٹھنڈے انداز میں پوچھا۔ مڑی بھی نہیں۔ فارس کے ابرو تن گئے' آنکھوں میں سختی در آئی۔

''آپ جواب میں کیا سننا چاہتی ہیں؟ کیا بات آپ کو خوش کرے گی؟ بتایئے' میں کہہ دیتا ہوں۔''

زمر نے جواب نہیں دیا۔ چپ بیٹھی رہی۔ وہ بھی پلٹ گیا۔ الماری سے چند کاغذات نکالے اور پٹ زور سے مار کر بند کیا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ پھر سے اسکرین پہ وہی تصویریں نکال کر دیکھنے لگی، جو سعدی کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔ (یہ وہی تصاویر تھیں جو سعدی نے ہاشم کے لاکر سے نکالی تھیں، اس رات جب شیرو نے اپنے اغوا کا ناٹک رچایا تھا۔) سعدی کے سامان، اس کے ٹیبلیٹ اور اب اس کے لیپ ٹاپ میں سوائے ان تصاویر کے کچھ بھی ایسا نہ ملا تھا جو اس کے کسی دشمن کی خبر کر سکتا۔

بالآخر زمر نے موبائل اٹھایا اور احمر کے نام میسج لکھا۔ ''احمر شفیع' کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

جواب چند لمحے بعد آ گیا تھا۔

''پہلے بولیے' پلیز!'' ساتھ ہی زبان نکالتا اسمائیلی!

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''ایک گھنٹے میں ریسٹورانٹ پہنچ جایئے' اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں۔'' اور موبائل پرے ڈال دیا۔

آدھے گھنٹے بعد زمر تیار ہو کر' بال آدھے کیچر میں باندھے' پرس کہنی پہ ٹکائے باہر نکلی تو پرسکون لگ رہی تھی۔ کار کی طرف بڑھتے اس نے دیکھا' سامنے سبزہ زار پہ' مسز کاردار کے کمرے کے عقبی برآمدے میں جواہرات اور ندرت بیٹھی تھیں۔ (کافی دن سے جواہرات سے ملاقات نہیں ہوئی' سو اب ادھر جا بیٹھی تھیں۔)۔ جواہرات نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور کار میں بیٹھی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے کار زن سے آگے گزر گئی تو جواہرات نے ندرت کی طرف چہرہ موڑا۔

''ایسا لگتا ہے زمر' فارس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔''

ندرت جو اسی طرف دیکھ رہی تھیں' چونک کر جواہرات کو دیکھا۔

''نہیں' وہ دونوں ٹھیک ہیں۔'' ذرا سنبھل کر بولیں۔

''میں اس لئے کہہ رہی ہوں کیونکہ مجھے ان دونوں کی فکر ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے ایسے ایک دوسرے سے کٹے کٹے نہیں رہتے جیسے یہ دونوں رہتے ہیں۔''

''سعدی کی وجہ سے... ایسا ہے!'' وہ بس اتنا کہہ پائیں۔ آنکھوں میں ڈھیروں تکان اتری۔

''میرا نہیں خیال کہ صرف سعدی کی وجہ سے ایسا ہے۔ اگر سعدی آ گیا تو کیا یہ دونوں ایک دم سے ٹھیک ہو جائیں گے؟ اونہوں۔''

ندرت خاموش رہیں۔

''یقیناً یہ باتیں آپ کے ذہن میں بھی گھوم رہی ہوں گی ندرت' مگر ظاہر ہے آپ یہ فارس سے کہہ نہیں سکتیں کیونکہ آپ اس کے گھر میں رہ رہی ہیں۔'' مسکراتے ہوئے نرمی سے وہ کہہ رہی تھی۔ ''مگر کبھی کبھی انسان کو اپنے چھوٹوں کو ٹوک دینا چاہیے۔ اس میں انہی کا فائدہ ہے۔''

ندرت نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔ ''نہیں مسز کاردار' میاں بیوی کے معاملے میں ہمیں نہیں بولنا چاہیے' ایک دوسرے کو الزام دینے سے صرف گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے' اور پھر یہ گھر تو میرے ابو اور بھائی کا ہے' میرا اپنا ہی ہوا' اس لئے مجھے سب کا سوچنا چاہیے۔'' اپنے ازلی گھریلو اور سادہ انداز میں وہ کہتی گئیں۔ جواہرات کو بات پسند نہیں آئی مگر خاموش رہی۔

وہ اٹھیں تو فیونا آئی۔ ایک ننھا سا باکس اور خط کا لفافہ سامنے کیا۔

''کوئی ڈرائیور تھا' آپ کے لئے دے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا' اوپر نام لکھا ہے۔'' کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ جواہرات نے باکس کھولا۔ اندر میرون مخمل پہ ایک ہیروں سے جھلملاتا بریسلیٹ رکھا تھا۔ اس نے دو انگلیوں میں بریسلیٹ نکال کر دیکھا۔ پھر کارڈ کھولا۔ اس پہ فارسی میں لکھا تھا۔

''مَن الماس را بہ ملکہ دادم!

چہ الماس را ملکہ مغرور!

ہارون عبید۔''

(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا! کیونکہ ہیرے ملکہ کو مزید مغرور بناتے ہیں)

''ہارون عبید اور اس کی ایرانی ماں کا فارسی نچ!'' وہ اس کارڈ کو دیکھ کر بے نیازی سے مسکرائی۔

''سو اتنے سال بعد ہارون عبید اسی شہر میں واپس آ ہی گئے۔'' کوئی عجیب سا احساس تھا جو اس خوبصورت اور سنگدل ملکہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا' اور یہ احساس یقیناً ناخوشگوار نہیں تھا۔

مَن الماس را بہ ملکہ دادم! اس نے مسکراتے ہوئے دہرایا۔

❖❖❖

تیرا بھولا ہوا پیمانِ وفا ..... مر رہیں گے اگر اب یاد آیا

ریسٹورانٹ پہ افطار بوفے کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ ملازموں کی بھاگ دوڑ لگی تھی۔ ایسے میں اوپری پورشن لاک کر کے' زمر نیچے آ بیٹھی تھی اور اس وقت اس کے سامنے ہنستا مسکراتا احمر بیٹھا تھا۔

''جی مسز زمر! کیسے یاد کیا آپ نے مجھے؟''

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے بولی۔ ''مجھے آپ کی سروسز درکار ہیں۔''

''یعنی آپ مجھے ہائر کرنا چاہتی ہیں؟ گڈ۔'' ذرا سا مسکرایا۔

''پہلے مجھے آپ کی ماہرانہ رائے چاہیے' خالص غیر جانبدارانہ رائے۔''

''شیور' ویسے میری کنسلٹنسی فیس پانچ ہزار روپے ہے' مگر چونکہ آپ غازی کی وائف ہیں تو آپ سے میں....'' ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔ ''پانچ ہزار ہی لوں گا۔'' شرارت سے مسکرایا۔

زمر نے پرس سے ایک گلابی نوٹ نکال کر سامنے رکھا۔ ''ایک غیر جانبدار' اور سمجھدار انسان کی حیثیت سے آپ...''

''میم' جب آپ اتنی عزت کرتی ہیں تو مجھے لگتا ہے' ابھی بے عزتی ہونے والی ہے۔'' اس نے نوٹ والٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''احمر شفیع میں سنجیدہ ہوں!'' اور وہ واقعی سنجیدہ تھی۔ صرف ایک لمحہ لگا احمر کو سیدھا ہونے میں۔

''پوچھیے۔'' اب کے وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''آپ ایک sensible اور ذہین انسان ہیں' کرمنل بھی رہ چکے ہیں' اور ایک پیدائشی فراڈ بھی ہیں، مطلب کہ تجربہ کار ہیں' اس لئے اپنی پوری ایمانداری سے بتایئے' آپ کی رائے میں' کیا فارس غازی نے اپنے بھائی اور بیوی کو قتل کیا تھا؟''

''ایمانداری سے بتاؤں؟''

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''جی' میرے خیال میں' اس نے بالکل یہ دونوں قتل کیے تھے۔''

زمر ذرا سا مسکرائی۔ ''واؤ۔ میرا خیال تھا' صاحبی السجن بہترین دوست ہوتے ہیں۔''

''مسز زمر' آپ نے مجھ سے میری دیانتدارنہ رائے مانگی' میں نے دے دی۔ غازی کو خود بھی علم ہے کہ مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں۔'' وہ اب مکمل سنجیدہ تھا۔ مکمل پروفیشنل۔

''آپ کو کیوں یقین نہیں؟ آپ تو اس کے دوست ہیں۔''

''دوست ہوں' اندھا نہیں ہوں۔ غازی کے خلاف جتنے ثبوت ہیں' وہ اتنے ٹھوس ہیں' اتنی مضبوط گواہیاں ہیں' کہ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی اس حد تک جائے آپ کو پھنسانے کے لئے۔ اگر اس کا کوئی سرِ عام کھلے عام دشمن ہوتا تو میں پھر بھی مان لیتا' مگر فی الحال میرے خیال میں' اس نے یہ قتل کیے تھے۔ ہاں آپ کے برعکس میں اسے مارجن دے سکتا ہوں۔ اس کی بیوی اور بھائی اس کو دھوکہ دے رہے تھے' اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''میرے خیال میں بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے واقعی وہ قتل کیے تھے اور مجھ پہ گولی چلائی تھی۔'' چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔

''مسز زمر' آپ نے یقیناً مجھ سے اب اگلا سوال پوچھنا ہے' کیونکہ صرف ایک سوال کے لئے تو آپ مجھے بلائیں گی نہیں۔ سو یاد رکھئے۔ اس کے پانچ ہزار الگ سے ہیں۔''

''شیور!'' اس نے دوسرا گلابی نوٹ نکالا، اور سامنے رکھا، پھر سعدی کے لیپ ٹاپ کو قریب کیا' چند بٹن دبائے' اور پھر بولی۔ ''مجھے